مرزا صاحب بدرجہا بہتر ہین، اسی طرح آریون کے مقابلہ مین خاص بانی آریہ سماج دیانند سوامی کے رد مین مولانا قاسم صاحب بانی مدرسۂ دیوبند نے جو کام کیا، اس کا اعتراف نہ کرنا کفرانِ محسن ہو،

ہان مرزا صاحب نے ان بزرگون سے جس بات مین سبقت کی، وہ مخالفین کے طرز اسلوب اور حیا کی زبان کا کلر بکہ جواب دینا ہے، مثلاً عیسائی نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کو سخت سُست الفاظ مین یاد کرتے تھے، مسلمان مجیب اون کے جواب مین حضرت عیسیٰ پر حرف نہین رکھتے، مرزا صاحب نے اس بزرگی کی احتیاط نہین کی، اور اسی قسم کے الفاظ مین یسوع کو یاد کیا، اور اسمین بڑھ کر بھی بازی لے گئے، اسی طرح مثلاً سُنی مناظر شیعون کے جواب مین حضرت علی مرتضیٰ یا حسنین رضی اللہ عنہم کی توہین نہ کر سکتے تھے، مرزا صاحب نے اس مین بھی ترکی بترکی اصول ملحوظ رکھا، یہ وہ چند اشارات ہین، جو غیر فرقہ آرایانہ طور پر محض علمی حیثیت سے پیش ہوئے اور جن کے مباحث اسی نقطۂ نظر سے اس موضوع کی کتاب مین تفصیل سے دکھائے جا سکتے ہین،

دیوانِ گرامی (فارسی) یعنی مجموعۂ کلام ملک الشعرا شیخ غلام قادر گرامی ناشر شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لاہوری دروازہ، لاہور، حجم ۲۱۶ صفحے، قیمت:- عہ

فارسی ادب کے ارباب ذوق کو حضرت گرامی کے دیوان کی اشاعت کا انتظار تھا، مسرت ہے کہ شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب لاہور نے یہ خدمت انجام دی، یہ مجموعۂ غزلیات، مثنویون اور مناقب و قصائد و قطعات سب پر مشتمل ہے، مثنویون اور قطعون پر تعلیقات و حواشی بعض فارسی اور بعض اردو مین درج ہین، جنمین بعض خود گرامی کے قلم کے معلوم ہوتے ہین، کوئی دیباچہ یا مقدمہ شامل نہین، اگر گرامی کا مختصر تعارف کرا دیا ہوتا تو مناسب ہوتا، ورنہ کم از کم ڈاکٹر سر اقبال کی وہ تحریر شامل کر دیجاتی جو انھون نے گرامی کی وفات پر اخبار انقلاب مین شائع کرائی تھی،

یازدہ سورہ شریف:- ناشر جناب ماسٹر محمد احسان بیکوآرٹ پریس لاہور، جیبی تقطیع کے ۱۲۸ صفحے، قیمت:- عہ

یہ ایک خوشنما پاکیزہ خط رنگین و منقش سرورق، طلاکار جلد اور نفیس کاغذ پر رنگین اور منقش حواشی سے چھپا ہوا مختصر مجلد مجموعہ ہے، جس مین قرآن مجید کی گیارہ سورتین اور چند اوراد و وظائف جمع کئے گئے ہین، ہر صفحہ کے سامنے دوسرے صفحہ پر آیات و اوراد کا اردو ترجمہ بھی درج ہے، اس خوبی و خوبصورتی اور حسنِ اہتمام سے شاید قرآن پاک کا کوئی حصہ کبھی ہندوستان مین طبع ہوا ہو،

"ز"

عدد ۵	ماہ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۳ء	جلد ۳۱

مضامین

شذرات

یہ خبر نہایت حسرت اور افسوس کیساتھ سنی جائیگی کہ مولنا شبلی نعمانی مرحوم کے چھوٹے بھائی مولوی جنید صاحب نعمانی سب جج کانپور نے دو سال کی صحت و علالت کی کشمکش کے بعد ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کو دہلی مین وفات پائی، مولنا مرحوم کے صرف یہی ایک بھائی تھے، جو ان کی وفات کے بعد زندہ تھے، آخر انھون نے بھی اس دنیا کو الوداع کہا، یہی وہ بھائی تھے جنکی نسبت مولانا نے اپنے بھائی مولوی محمد اسحاق صاحب مرحوم وکیل الہ آباد ہائیکورٹ کے پردرد نوحہ مین سنہ ۱۹۱۴ مین یہ فرمایا تھا،

اے خدا شبلیِ دل خستہ باین موئے سپید — لے کے آیا ہے ترے درگہِ عالی مین اُمید

مرنے والے کو نجاتِ ابدی کی ہو نوید — خوش و خرم رہے چھوٹا مرا بھائی یہ جنید

افسوس کہ یہ بھائی بھی اپنے بڑے بھائی کے بعد اٹھارہ برس سے زیادہ خوش و خرم نہ رہ سکا، دعا ہے کہ مرحوم کو اب آخرت کی ابدی خوشی و خرمی حاصل ہو،

۱۱- اپریل سنہ ۱۹۳۳ء کی شب کو جامعہ ملیہ دہلی مین معارف کے اڈیٹر نے "مسلمانون کی آیندہ تعلیم" پر ایک بسیط مقالہ پڑھا جسمین سب سے پہلے اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانون کی قومی زندگی کا مقصد کیا ہو، اور پھر یہ کہا گیا کہ ہماری آیندہ تعلیم گذشتہ کی طرح بے مقصد نہ ہو، بلکہ بامقصد ہو، اور درسگاہون کا یہ فرض ہو کہ بے مقصد افراد قوم کے بجائے بامقصد افراد پیدا کرین، اسی مقصد کی روح قومی زندگی کے ہر شعبہ کی حیات کی ذمہ دار ہو گی، اسی سلسلہ مین مسلمانون کی گذشتہ قدیم بامقصد تعلیم کے نتائج دکھائے گئے، بعد ازین یہ کہا گیا کہ درسگاہون کا دوسرا فرض قومی و مذہبی اخلاق اور کیرکٹر

کی تعمیر ہے، جو قوم اپنے قومی و مذہبی اخلاق اور کیرکٹر سے محروم ہوگی، وہ باعزت زندگی سے بھی محروم رہیگی، پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یونیورسٹیون کی جس اعلیٰ تعلیم کی طرف ہم جا رہے ہین، وہ ہماری شکم سیری کے سامان سے اب تمامتر عاجز ہے، اعلیٰ تعلیم کی طلب صرف علم کی خاطر ہونی چاہئے، بقیہ عام تعلیم صرف شکم سیری کی تدبیرون کے لیے چاہئے، درمیان مین یہ بتایا گیا تھا کہ موجودہ سرکاری تعلیم صرف حکومت کے نقطۂ نظر سے دی جا رہی ہے، قومی نقطۂ نظر سے یہ نظامِ تعلیم سراسر خالی ہے اور دین و ملت کی پُرحرارت روح سے تمامتر تہی مایہ ہے، یہ بھی کہا گیا کہ میونسپلٹیون اور ڈسٹرکٹ بورڈون کے ذریعہ جو ابتدائی دیہی اور شہری تعلیم دیجا رہی ہے اس مین مسلمانون کی ابتدائی تعلیم غیر مشترک اور علیحدہ نظام کے ماتحت ہونی چاہئے، اور مقرر کی نگاہ مین اسلام اور مسلمانون کے مصالح کی خاطر غیر مخلوط انتخاب سے زیادہ غیر مخلوط ابتدائی تعلیم کے مطالبہ کی ضرورت ہے، آخر مین ہندوستان کی زبان کے ذریعہ تعلیم بنانے پر زور دیا گیا تھا،

لاہور کے شاہدرہ اسٹیشن سے چند اسٹیشنون کے بعد ایک قصبہ "بدوملی" ہے، ہم نے حیرت کیساتھ سنا کہ یہ چھوٹا سا قصبہ ہندوستان بھر کے مذاہب کا اکھاڑہ ہے، قادیانی اور احمدی لاہوری جماعتون کے علاوہ عیسائیون اور آریون کا بھی بڑا مرکز ہے، اور کس قدر افسوس کے ساتھ سنا کہ ایک مسلمان زمیندار خاندان یہان عیسائی ہوگیا ہے، یہان کے غریب مسلمان جو زیادہ تر کاشتکار اور مزدور پیشہ ہین، وہ ان مختلف تحریکات اور ترغیبات کے شکار ہو رہے ہین، چند سال سے یہان کے بعض مسلمانون نے ایک اسلامی انجمن کے ذریعہ اپنی تنظیم کا کام شروع کیا ہے، ۱۳- اپریل کی دوپہر کو یہان کے مسلمانون کے شدید اصرار پر لاہور اسٹیشن سے وہان جانا پڑا، وہان مسلمانون کی اصلاحات پر دو دن دو تقریرین کین، امید ہے کہ وہان مسلمانون کی کوششون سے اب ایک ابتدائی اسلامی تعلیم گاہ کا انتظام ہو جائے، اور مسلمانون کی حفاظت کا کام سرانجام پائے،

گذشتہ اطلاع کے مطابق ۱۵- اپریل کو راقم اور اس کے دو رفقائے دار المصنفین مولوی سعید صاحب انصاری

اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے لاہور میں دائرۂ معارف اسلامیہ کے اجلاس میں شرکت کی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سبب سے یوپی کے بھی بعض اہل علم شریک اجلاس تھے، پہلا جلسہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی صدارت میں شروع ہوا لاہور کے تمام سربرآوردہ اہل علم اور پنجاب اور دہلی کے کالجون کے مشرقی علوم کے بعض استاد اور پروفیسر بھی شریک تھے، پہلے اجلاس میں صدارتی خطبون کے بعد سب سے پہلا مقالہ راقم الحروف کا پیش ہوا، جسکا عنوان تھا "لاہور کا ایک مہندس خاندان جسنے تاج اور لال قلعہ بنایا" اس مقالہ مین اس خاندان کے تقریباً ڈیڑھ سو برس کے علمی کارنامون کی سرگذشت نامعلوم گوشون سے نہایت تلاش اور تفحص کیساتھ مرتب کیگئی تھی، اور تاریخ مین سب سے پہلی دفعہ اس خاندان کے مورث اول نادر العصر استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری کے حالات بتائے گئے، اور اسکے بیٹے ملا لطف اللہ مہندس کی (جو شاہجہان کے زمانہ مین موجود تھا اور دارا شکوہ کا درباری تھا) معاصرانہ شہادت سے یہ ثابت کیا گیا کہ تاج کا معمار درحقیقت یہی استاد احمد معمار شاہجہانی لاہوری ہے، یہ ہندسہ، ہیئت اور ریاضیات کا بہت بڑا عالم تھا، اس دریافت سے وہ تمام افواہین جو تاج کے کاریگرون اور معمارون کی نسبت مشہور تھین، بے سروپا ہو کر رہ گئین،

ہمارے دو رفیقون مین سے مولوی سعید صاحب انصاری نے عربی علم لغت کی تاریخ بڑی جامعیت کے ساتھ لکھ کر پیش کی، اور مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے سسلی کے اسلامی تمدن پر اردو مین بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ مشرقی زبان مین سب سے پہلی دفعہ مقالہ پیش کیا، جسمین اس جزیرہ نما کے اسلامی تمدن کے ہر شعبہ پر پوری تفصیل کیساتھ گفتگو کی تھی، دوسرے مقررون مین سے جہانتک یاد ہے سب سے زیادہ قابل ذکر مضمون دہلی یونیورسٹی کے استاذ علوم مشرقیہ مولٰنا عبد الرحمن صاحب کا تھا جسمین تیموری بادشاہون کے نظام منصبداری کے اصول پر فاضلانہ تبصرہ تھا، علاوہ ازین پروفیسر شفیع نے تاریخ آل میکال پر، سورتی کے ڈاکٹر ہمدانی نے رسائل اخوان الصفا پر، پروفیسر شیرانی نے اردو کی قدیم نصابی کتابون پر، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ نے عرب کے موسمی خصائص اور اثرات پر، مولٰنا عبد اللہ صاحب چغتائی نے اسلامی مصوری اور نقاشی پر اور دوسرے فضلا نے مختلف عنوانون پر اپنے اپنے دلچسپ مضامین دائرہ کے مختلف جلسون مین پڑھے اور پیش کئے، اور اسطرح اسلامی مشرقی علوم و فنون کی مجلس کا پہلا اجلاس ۱۷۔ اپریل کی شب کو بخیر و خوبی ختم ہوا،

مقالات

"انکارِ حدیث"

از مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین۔

کچھ دنون سے جب سے "حریت فکر" اور "آزادی خیال" کی ہوا چلی ہے، ایک جماعت مین جو مذہب کے قیود سے آزاد ہونا چاہتی ہے، حدیث و سنت کے انکار کی عجب وبا پھیل گئی ہے، مذہب کی گرفت زیادہ تر حدیث و سنت کی وجہ سے ہے، کیونکہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے جسمین مذہب کے متعلق صرف اصولی اور کلی قوانین ہین، تمام جزئیات کا اس مین استقصار نہین ہے اور نہ ہو سکتا تھا، ان اصول اور کلیات کی تشریحات کا دارمدار تمامتر حدیث و سنت پر ہے، اس لیے آزاد پسند طبائع سرے سے حدیث و سنت کی صحت ہی اور اسکے واجب العمل اور قابل صحت ہونے کا انکار کرتے ہین کہ جب حدیث و سنت ہی کوئی شے نہ رہجائیگی تو مذہب کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑ جائیگی اور مذہب صرف چند عقائد اور چند عبادات کا نام رہ جائیگا، وہ بھی جدید مجتہدین کی تفسیر کے مطابق کوئی مفسر صرف دو تین وقت کی نماز کافی سمجھ لینگے، کوئی مجتہد اس سے بھی بڑھکر نماز کو صرف دعا اور توجہ قلب کے معنون مین لے کر راہ چلتے، سیر و تفریح کرتے سر راہ گردن جھکا لینا کافی تصور فرمائین گے۔

اگر یہ حریتِ فکر انھین کی ذات تک محدود رہتی تو ہم کو اس سے کوئی بحث نہین تھی کہ ہر شخص اپنے خیالات کا مختار ہے، اگر کوئی شخص قرآن سے انکار کر دے تو اسے کون روک سکتا ہے، لیکن قیامت یہ ہے کہ تمسک بالکتاب والسنۃ کی آڑ مین تمام مسلمانون کو ان مزعومات پر ایمان لانے کی دعوت دیجاتی ہے اور طرفہ تر یہ ہے کہ حدیث و

سنت کی مخالفت، اس کے انکار اور اسکے ناواجب العمل اور ناقابل حجت ہونے کے ثبوت مین حدیث وسنت ہی سے
بلکہ اس سے بھی اتر کر طبقات و رجال کی کتابون سے دلیل قائم کیجاتی ہے،

لیکن حدیث، تفسیر، طبقات، رجال اور تاریخ پر ان مجتہدین کی نظر نہین ہوتی بلکہ بسا اوقات عربی زبان
سے بھی ناواقف ہوتے ہین، اسلئے اس کوشش مین اپنی ناواقفیت کے عجیب وغریب اور نہایت مضحکہ انگیز نمونے
پیش کرتے ہین، کہین ترجمہ غلط، کہین مفہوم غلط، کہین نتیجہ غلط، کہین کسی عبارت کے ناقص ٹکڑے سے استدلال
کہین تاریخ سے بیخبری، کہین ان پر مفروضات سے استدلال، کہین طبع زاد شہادتین غرض جہالت، تدلیس،
خیانت، کم نظری اور ناواقفیت کا کوئی نمونہ ایسا نہین ہوتا جو انکی تحریرون مین نظر نہ آتا ہو اور یہ تحریرین
ہر شخص کی نظر سے گذرتی ہین اور مذہبی علوم سے ناواقف اشخاص پر اس کا برا اثر پڑتا ہے، اس لئے ضرورت
تھی کہ ان مجدد دین کی خیانتون کو اچھی طرح فاش کیا جائے اور حدیث وسنت کے خلاف جس قدر شکوک و
شبہات پیش کئے جاتے ہین ان پر تفصیلی بحث کرکے اصل حقیقت واضح کیجائے، آیندہ سطور مین ان شکوک پر
تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے۔

حدیث وسنت کے واجب العمل اور حجت شرعی ہونے کی مخالفت مین حسب ذیل دلیلین پیش کیجاتی ہین

(۱) رسول اللہ صلعم نے کتابت حدیث سے منع فرمایا ہے (۲) خلفاء حدیثون کو قابل حجت نہین سمجھتے تھے، حضرت
ابوبکر حدیثون کی روایت سے روکتے تھے، اپنا مرتب کیا ہوا حدیثون کا مجموعہ جلا ڈالا، حضرت عمر صحابہ کو روایت
سے منع کرتے تھے اور روایت کرنے والون کو سزا دیتے تھے، حضرت عثمان حدیثین نہین قبول کرتے تھے (۳)
ایسے صحابہ سے روایتین مروی ہین، جنھین قرآن نے مردود الشہادہ قرار دیا ہے، (۴) صحابہ اور ائمہ نے حدیثون
کے متعلق بری رائے ظاہر کی ہے (۵) احادیث کی تدوین آنحضرت صلعم کے کئی صدی بعد کی گئی ہے، اور ان
مین ہر طرح کی رطب ویابس روایتین ہین،

یہ وہ اصولی دلائل ہین جو حدیث وسنت کے لائق احتجاج ہونے کی مخالفت مین دیئے جاتے ہین

اس کے ضمن مین جو واقعات پیش کئے جاتے ہین وہ اپنے اپنے موقع پر آئین گے،

لیکن یہ تمام اعتراضات معترضین کی کوتاہ نظری، قرآن، حدیث، رجال اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت
اور منصب نبوت کی نا مرتبہ شناسی کا ثبوت ہین،

ان اعتراضات پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک مختصر تمہید سن لینی چاہئے، حدیث وسنت کے قابلِ احتجاج اور
ناقابلِ احتجاج ہونے کی بحث مین سب سے مقدم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ کا منصب کیا تھا؟ اگر ان کی حیثیت
خاکم بدہن محض ایک پوسٹمین کی تھی کہ خط پہنچا دینے کے بعد اس کا کام ختم ہوگیا، اور مکتوب الیہ کی اور کسی چیز سے
اوسے کوئی بحث نہین تو بیشک حدیث وسنت قابل احتجاج نہین ہے، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے رسول اللہ
کی حیثیت محض خالص پیامبر کی نہین تھی کہ قرآن کی آیات پہنچا دینے کے بعد آپکی ذمہ داری ختم ہوگئی بلکہ وہ اس
پیام کا شارح، مرسل الیہ قوم کا معلم اور طبیب بھی تھا اور عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق غرض تمام دینی اور دنیوی
ضروریات مین اس کا ہادی اور رہنما بنا کر بھیجا گیا تھا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (جمعہ رکوع ۱)	وہ خدا ہی ہے جس نے امیون مین انھین مین سے رسول بھیجا جو ان پر انکی آیات تلاوت کرتا ہے اور انھین پاک کرتا ہے اور انھین کتاب اور حکمت سکھاتا ہے،

اس آیہ پاک مین رسول کا کام تنہا یہی نہین بتایا گیا ہے کہ وہ امیون پر آیات خداوندی کی تلاوت کرتا ہے
بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انھین پاک کرتا ہے، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، جہانتک خالص پیامبری کی ذمہ داری
ہے وہ تلاوت آیات پر ختم ہوجاتی ہے پھر یہ تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت کیا چیز ہے، یہ بھی محفوظ رکھنا چاہئے کہ کتاب
عربی مین تھی اور عربون پر نازل ہوئی تھی، وہ اُسے خود سمجھ سکتے تھے پھر تعلیم کتاب وحکمت کے کیا معنی اس سے معلوم
ہوا کہ رسول اللہ تنہا اور خالص پیامبر ہی نہین تھے بلکہ اس سے بڑھکر کچھ اور بھی تھے، اسکو خود قرآن نے بتایا ہے کہ وہ کیا تھے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ	مسلمانو! رسول اللہ کی ذات تمہارے لیے نمونہ ہے،

اس آیۂ پاک میں ذاتِ نبویؐ کو کس چیز میں نمونہ قرار دیا گیا ہے، کیا محض احکام قرآنی کے مان لینے میں؛ اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ کی ذات کو اسوہ کہنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صاف الفاظ میں کہا گیا ہوتا کہ قرآن کو مان لو جیسا کہ دوسرے مواقع پر اس مقصد کو اسی قسم کے الفاظ میں ادا کیا گیا ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ اسوہ کا کوئی اور مفہوم ہے جو احکام قرآنی کے ماننے سے زیادہ وسیع ہے اور وہ خود لفظ اسوہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسوہ یا نمونہ عرف عام میں بھی اسی کو کہتے ہیں، جسکا ہر قول و عمل جسکی ہر نقل و حرکت اور جسکی ہر ادا قابلِ تقلید ہے، اور انھیں اقوال و اعمال کو حدیث و سنت کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے،

اس موقع پر اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، کہ کلام اللہ ایک اصولی کتاب ہے، جسمیں عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق صرف کلی اصول ہیں، باقی ان کی تفصیلات اور جزئیات کے استقصار کی اس میں گنجایش تھی اور نہ ہیں، اس کلی کی جزئیات، اس اصول کی فروعات اور اس اجمال کی تفصیل کے لئے ذاتِ پاک محمدی زندہ کتاب ہے جسکا ہر قول و عمل متنِ قرآنی کی شرح ہے، قرآن کے اصولوں کی تشریح بغیر نبیؐ کی وضاحت کے نہیں ہو سکتی، چنانچہ

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم،

اور نہیں اُتاری ہمنے تیر کتاب مگر اسلیے کہ تم اسکو کھول کھولکر واضح بیان کردو،

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس،

ہمنے تمھاری طرف اسلیے نصیحت اتاری تاکہ تم لوگون کیلئے اسکو واضح بیان کرو،

ظاہر ہے کہ جہانتک قرآن کی عربی عبارت کا تعلق ہے، ہر عرب سمجھ سکتا تھا، پھر اس تبیین اور وضاحت کے کیا معنی، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میں کچھ اور بھی ہے جسکی وضاحت نبی ہی کر سکتا ہے، اور یہی وضاحت حدیث و سنت ہے، احادیث میں اس مفہوم کو اس سے زیادہ صاف اور واضح بیان کیا گیا ہے،

عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلعم شیئاً فقال ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللہ و کیف یذھب العلم ونحن نقرأ القرآن ونقرئہ

زیاد بن لبید بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی چیز بیان کیگئی آپ نے فرمایا یہ علم کے جانے کے وقت ہوگی، میں نے کہا یا رسول اللہ علم کیونکر چلا جائیگا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اپنے

ابناءنا ویقرئہ ابناؤنا ابناءھم الی یوم القیمۃ قال ثکلتک امک زیاد ان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھذا الیھود والنصاری یقرءون التوراۃ والانجیل ولا یعلمون بشیٔ مما فیھما؛ (ابن ماجہ باب ذہاب العلم)

لڑکون کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے لڑکے اپنے لڑکون کو پڑھائینگے اور سلسلہ قیامت تک قائم رہیگا، فرمایا زیاد، تیری ماں تجھکو روئے میں تجھکو مدینہ میں سب سے زیادہ سمجھدار جانتا تھا، کیا یہود و نصاریٰ انجیل و توراۃ کی تلاوت نہیں کرتے ہیں، لیکن ان میں جو کچھ ہے اس سے بالکل بیخبر ہیں،

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے محض لفظی معنی سمجھ لینے سے اس کا پورا علم حاصل نہیں ہوتا اسی لئے نبی کو اسکی وضاحت کا حکم دیا گیا ہے اور وہ جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے، خواہ وحی کی زبان میں ہو یا خدا کی دی ہوئی بصیرت کی روشنی میں جسے ہم حدیث و سنت کہتے ہیں، جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے،

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی،

نبیؐ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہ وحی ہوتی جو اسکو کیجاتی ہے،

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ،

ہم نے تمھاری طرف سچائی کیساتھ صرف اسلئے کتاب اتاری ہے کہ تم لوگون کے درمیان اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق فیصلہ کرو،

اسی لئے کسی دینی اور دنیاوی معاملہ میں رسول اللہ کے فیصلہ کے بعد چون و چرا کی گنجایش باقی نہیں رہتی؛

وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً بعیداً،

اور مومن مرد اور عورت کو یہ اختیار نہیں رہتا کہ جب اللہ اور اس کا رسول ان کے کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ کر دے تو وہ اسمین چون و چرا کرین اور جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلا گمراہ ہوا،

ان آیات سے یہ ثابت ہو گیا کہ رسولؐ جو کچھ کہتا ہے وہ خدا ہی کی دی ہوئی روشنی میں کہتا ہے اور اس کے فیصلہ کے بعد کسی مسلمان کو اس میں چون و چرا کا حق باقی نہیں رہتا، اس لئے اس کا ہر قول و فعل واجب العمل

ہوا اور اسکی اتباع مین خدا اور قرآن کی اتباع ہوئی) چنانچہ خود خدائے تعالی فرماتا ہے،

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ، ہمنے نہین بھیجا کسی رسول کو مگر اسلئے تا کہ خدا کے حکم سے اسکی اطاعت کیجائے

اور خود رسول کی زبان سے اسکی اتباع کو فرض قرار دیا گیا،

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو خدا تمکو دوست رکھیگا،

(اس آیۂ پاک مین خدا کی محبت اور خدا کی بارگاہ مین محبوب بننے کے لیے رسول اللہ کی اتباع ضروری قرار دیگئی یہ نہین فرمایا گیا کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو قرآن کو مان لو، خدا تم کو دوست رکھیگا، بلکہ فرمایا گیا کہ میری اتباع کرو، ظاہر ہے کہ یہ اتباع اتباع بالحدیث والسنہ کے سوا اور کوئی دوسری شے نہین ہو سکتی، دوسرا قابلِ غور ایک اور امر ہے، مگر اس سے پہلے حدیث و سنت کا مفہوم اور منشا واضح ہو جانا چاہئے، محدثین کے نزدیک تو حدیث و سنت کا مفہوم نہایت وسیع ہے، لیکن زیرِ بحث موضوع کے اعتبار سے ہم اسے محدود کر کے یہ کہتے ہین کہ حدیث و سنت سے مراد آنحضرت صلعم کے وہ اقوال و اعمال ہین جو آپ نے مسلمانون کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ مین فرمائے ہون، غالباً اس تعریف مین کسی کو شک و شبہہ کی گنجایش نہ ہو گی، اس معنی کی تعیین کے بعد سوال یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلعم نے مسلمانون کو کوئی دینی یا دنیوی تعلیم دی یا کسی مسلمان کے سوال یا پیش آمدہ صورت کے متعلق کوئی جواب دیا یا کوئی حکم صادر فرمایا، تو یہ تعلیم یہ جواب اور یہ فیصلہ عارضی اور وقتی مانا جائیگا اور آپ کے بعد ان کی ہدایت و رہنمائی اور عملی حیثیت ختم ہو جائیگی، اسے کون عقل تسلیم کر سکتی ہے، اس کی مثال روزانہ کے دنیاوی معاملات مین لیجیے، ایک باپ یا معلم اپنے بچہ اور شاگرد کو جو تعلیم و تربیت دیتا ہے اور جو زرین اصول اخلاق یا علوم سکھاتا ہے، کیا وہ محض سنانے کے لیے اور وقتی ہوتے ہین، ان پر عمل کی ضرورت نہین ہوتی اور مکتب و درس سے نکلنے کے بعد انھین طاقِ نسیان کے حوالہ کر دیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسا نہین ہے بلکہ بچہ اور شاگرد کی بچپن کی صالح تعلیم و تربیت اس کی آیندہ زندگی کی رہنما ہوتی ہے، پھر جب ایک باپ اور دنیاوی استاد کی تعلیم و تربیت انسان کے لیے دائمی لائحہ عمل ہے تو اس استاد

اور اس معلم خداوندی کی تعلیم جو تمام دنیا کو تعلیم دینے اور اُن کے اخلاق سدھارنے کے لیے آیا تھا اور اس دعوی کے ساتھ آیا تھا کہ وہ دنیا کا آخری معلم اور اسکی تعلیم دنیا کے لیے دائمی اور آخری تعلیم ہے اس لائق ہے کہ اس کے بعد طاقِ نسیان کے حوالہ کر دیا جائے کلا ثم کلا اور اسکی یہی تعلیم و تربیت حدیث و سنت ہے،

یہانتک "اتباعِ رسول" کے متعلق قرآنی احکام سے بحث تھی، اب حدیث کے احکام ملاحظہ ہون، ایک نہین بیسیون صحیح احادیث مین اتباعِ حدیث و سنت کو مسلمانون کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے،

عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ الخ (مسلم کتاب الامارۃ ج ۲ ص ۱۱۰ مطبع مصر و بخاری دعاء النبی صلعم)

ابوہریرہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہین، آپ فرماتے تھے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی، الخ

اس حدیث مین آپنے اپنی اطاعت کو خدا کی اطاعت اور اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قرار دیا، خدا کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کے حکم کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی نہین بتایا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے ساتھ نبی کے احکام کی اطاعت بھی جو اسی سے مستنبط ہین، ٹھیک ویسی ہی ضروری ہے، دوسری حدیث مین اس اطاعت کی خود تشریح فرما دی ہے،

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم ما امرتکم بہ فخذوہ وما نہیتم عنہ فانتہوا، (ابن ماجہ ج اول ص ۲ مطبع فاروقی دہلی)

ابوہریرہ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جس چیز کا مین تمکو حکم دون اسکو اختیار کرو اور جس چیز سے منع کرون اس سے رک جاؤ،

اس حدیث مین قرآن کی تخصیص نہین ہے کہ جس چیز کا قرآن حکم دے اسے اختیار کرو اور جس چیز سے وہ روک دے اس سے رک جاؤ، بلکہ فرمایا کہ جس چیز کا مین حکم دون اسے اختیار کرو اور جس چیز سے روکون اس سے رک جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے علاوہ آپ کے دوسرے احکام و فرامین بھی قرآنی احکام کی طرح واجب الطاعۃ ہین، مسلم

مین یہ روایت ان الفاظ مین ہے،

کان ابو ھریرۃ یحدث انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ وما امرتکم بہ فافعلوہ (مسلم کتاب الفضائل ج ۲ ص ۳۰۲)

ابو ہریرہ رض بیان کرتے تھے کہ انھون نے سنا رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ مین جس چیز سے تم کو منع کرون اس سے بچو اور جس چیز کا حکم دون اسے اختیار کرو،

احکام نبوی کے واجب الطاعۃ ہونے کی اس سے زیادہ واضح سند کیا چاہئے، ممکن ہے کوئی صاحب یہ اعتراض کرین کہ اس مین احکام نبوی کے واجب الطاعۃ ہونے کا حکم ہے حدیث کے متعلق کہان ہے، اگو حدیث رسول اللہ صلعم کے احکام کی ایک قسم ہے، تاہم معترضین کی تشفی کے لیے ذیل کی تشریحی روایت پیش کیجاتی ہے جس کے بعد کسی شک و شبہہ کی گنجایش باقی نہین رہتی،

عن المقدام بن معدیکرب الکندی ان رسول اللہ صلعم قال یوشک الرجل متکئا علی اریکتہ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا و بینکم کتاب اللہ عز و جل فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ الا وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما حرم اللہ (ابن ماجہ ص ۳)

مقدام بن معدیکرب الکندی روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ آدمی (اپنے پر تکلف) آراستہ تخت پر ٹیک لگائے ہو اس سے میری کوئی حدیث بیان کیجائے تو وہ کہے کہ ہمارے تمہارے درمیان کتاب اللہ عز وجل موجود ہے ہم جو چیز اسمین حلال پائین اسکو حلال سمجھینگے اور جو حرام پائین اسکو حرام سمجھینگے (ایسے لوگون کو) آگاہ ہو جانا چاہئے کہ جو رسول اللہ نے حرام کیا ہے وہ بھی خدا کی حرام کی ہوئی چیز کی طرح حرام ہے،

کیا اس کے بعد بھی حدیث کے واجب العمل اور واجب الطاعۃ ہونے مین کوئی شبہہ باقی رہجاتا ہے، تمسک بالکتاب کے مبلغین کو خصوصیت کیساتھ اس حدیث پر غور کرنا چاہئے، یہ تو حدیث کے متعلق تھا، گو حدیث و سنت تقریبا ایک ہی مین تاہم لفظ "سنت" کے ساتھ ملاحظہ ہو،

عن عرباض بن ساریۃ قال صلی لنا رسول اللہ

عرباض بن ساریہ روایت کرتے ہین کہ ایک دن رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الفجر ثم وعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون و وجلت منھا القلوب فقال قائل یا رسول اللہ کانھا موعظۃ مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم والمحدثات فان کل محدثۃ بدعۃ (مسند دارمی ص ۲۶ مطبع نظامی کانپور)

صلعم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی نماز کے بعد ایک بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنکھین بہ نکلین اور دل خوفزدہ ہوگیا، ایک کہنے والے نے کہا یا رسول اللہ یہ رخصتی وعظ معلوم ہوتا ہے، اس لیے ہم کو کچھ وصیت فرماتے جائے آپ نے فرمایا مین تم کو خدا سے خوف کی اور اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہون خواہ حبشی غلام ہی کیون نہ ہو، جو شخص میرے بعد زندہ رہیگا اسکو بہت سے اختلافات سے سابقہ پڑیگا، ایسے وقت مین تم لوگ میری سنت اور ہدایت یاب خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرنا، اسکو اپنے کچلون سے پکڑ لینا اور محدثات سے بچنا کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے،

علیکم بسنتی کے واضح اور صریح حکم کے بعد کون اقتدار بالسنۃ کے خلاف لب کشائی کر سکتا ہے، کتاب اللہ کے بعد مسلمانون کے لیے سنت رسول ہی رہنما ہے، آپ نے اسی کا حکم دیا ہے اور صحابہ کا اسی پر عمل تھا، جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا عامل مقرر کیا تو روانگی سے پہلے ان سے امتحانا پوچھا فیصلہ کس طرح کروگے؟ معاذ نے کہا قرآن سے، فرمایا اگر اسمین نہ ملے، عرض کیا سنت رسول اللہ کے مطابق، فرمایا اگر اسمین بھی نہ ملے، عرض کیا تو مین خود اجتہاد کرونگا، یہ جواب سنکر آنحضرت صلعم بہت مطمئن اور مسرور ہوے، اور فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے "رسول" کو ایسی چیز کی توفیق دی جس کو اس کا رسول پسند کرتا ہے، (مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۳۵ و مسلم و بخاری)

اس واقعہ مین امام امت حضرت معاذ بن جبل نے کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بنایا اور آنحضرت صلعم نے ان کے بیان پر پسندیدگی ظاہر فرمائی، اگر سنت کوئی شے نہ ہوتی تو آپ معاذ کو اس سے روک دیتے

ناپسندیدگی ظاہر فرماتے، غالباً اتنی مستند روایات کے بعد حدیث وسنت کے واجب الاطاعۃ ہونے میں کوئی شک و شبہہ باقی نہ رہ جائیگا،

اس تمہید کے بعد اب معترضین کے ان دلائل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جو حدیث وسنت کی مخالفت میں پیش کرتے ہیں، سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کتابتِ حدیث سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ حدیث کی اکثر کتابوں میں ہے،

(۱) لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ،

مجھ سے کچھ مت لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو اسکو چاہئے کہ مٹا ڈالے،

اس حکم سے حدیث وسنت کے ناقابلِ حجت اور ناواجب العمل ہونے کا نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر حدیث واجب ہوتی تو اس کے لکھنے کی کیوں ممانعت فرمائی جاتی، معلوم نہیں یہ کونسی منطق ہے، دعویٰ کو دلیل سے کوئی تعلق ہونا چاہئے، کسی کے قلمبند کئے جانے کی ممانعت اور شے ہے اور اس کا واجب العمل ہونا اور شے، کتابت کی ممانعت سے اس کا نفاذ کہاں سے ساقط ہو جائیگا، دوسرے یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ممانعت کن حالات اور کن مصالح کی بنا پر کی تھی اور وہ وقتی تھی یا دائمی،

بیشک ابتدا میں رسول اللہ صلعم نے کتابتِ حدیث کی ممانعت کی تھی، لیکن مطلق اور دائمی نہیں بلکہ خاص مصالح کی بنا پر اور وقتی، ابتدا میں بہت کم مسلمانوں کو لکھنا آتا تھا، اور جو جانتے بھی تھے وہ بھی یوں ہی سا معمولی، اس لیے ان کے حدیثوں کے قلمبند کرنے میں غلط شلط لکھ جانے کا خطرہ تھا، دوسرے شروع میں خاص صحابہ کے علاوہ عام مسلمانوں میں کلام اللہ اور کلام رسول اللہ کے درمیان فرق و امتیاز قائم رکھنے کا صحیح مذاق پیدا نہ ہوا تھا، اس لیے دونوں کے مخلوط ہو جانے کا خطرہ تھا، اس اہم خطرہ سے حفاظت کے لیے آپ نے ابتدا میں ممانعت کی تھی لیکن جب فنِ کتابت ترقی کر گیا اور صحابہ میں کلام اللہ اور کلامِ رسول اللہ میں فرق و امتیاز کی پوری صلاحیت آگئی تو آپ نے یہ ممانعت اٹھالی، اور جو لوگ لکھنے میں مہارت رکھتے تھے انہیں کتابت کی اجازت دیدی، چنانچہ عبد اللہ

بن عمرؓ کا بیان ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو قال کنت اکتب کل شئ اسمعہ من رسول اللہ صلعم ارید حفظہ فنھتنی قریش وقالوا اتکتب کل شئ تسمعہ ورسول اللہ صلعم بشر یتکلم فی الغضب والرضا فامسکت عن الکتاب فذکرت ذالک الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ فقال اکتب فو الذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا الحق، (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۸ مطبع قادری دہلی و بخاری و مسلم)

عبد اللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ میں حفظ کرنے کے خیال سے رسول اللہ صلعم سے جو کچھ سنتا تھا سب لکھ لیتا تھا، قریش نے مجھکو منع کیا اور کہا کیا تم رسول اللہ صلعم سے جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ آپ بشر ہیں غصہ اور رضا دونوں کی حالت میں فرماتے ہیں، اسلئے میں لکھنے سے رک گیا اور رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے اپنی انگلیوں سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تم لکھا کرو، قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا،

مسند دارمی کی روایت ہے،

عن عبد اللہ بن عمرو انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی ارید ان اروی من حدیثک فاردت ان استعین بکتاب بیدی مع قلبی ان رأیت ذالک فقال رسول اللہ صلعم ان کان حدیثی ثم استعن بیدک مع قلبک (مسند دارمی ص ۶۷)

عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپکی احادیث روایت کروں اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنے قلب (کی یادداشت) کے ساتھ اپنے ہاتھ کی تحریر سے بھی مدد لوں، اگر آپ اسے مناسب خیال فرمائیں، رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر میری حدیث ہے تو تم اپنے قلب کیساتھ اپنے ہاتھ سے بھی مدد لے سکتے ہو (یعنی لکھ سکتے ہو)

یہ واضح رہے کہ یہ اجازت تنہا عبد اللہؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ بہت سے صحابہ حدیثیں لکھا کرتے، اور

آپ کے علم اور اجازت سے،

عن ابی قبیل قال سمعت عبد اللہ بن عمرو قال بینما نحن حول رسول اللہ صلعم نکتب اذ سئل رسول اللہ صلعم ای المدینتین تفتح اولا قسطنطنیہ او رومیۃ (مسند دارمی ج ۱)

ابی قبیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ کے گرد (حدیث) لکھ رہے تھے، اتنے میں کسی نے آپ سے پوچھا دونوں شہروں میں کون پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ،

بعض اوقات دوسروں کی درخواست پر آنحضرت صلعم خود لکھوا دیا کرتے تھے، چنانچہ فتح مکہ میں جب آپ نے تحریم حرم پر خطبہ دیا تو ایک یمنی ابو شاہ نے درخواست کی یا رسول اللہ مجھکو یہ احکام لکھوا دیئے جائیں، انکی درخواست پر آپ نے فرمایا،

اکتبو الابی شاہ (مسلم کتاب الحج باب تحریم مکہ ج ۱ ص ۴۳۹) ابی شاہ کے لیے لکھ دو،

آپ کے مرض الموت کا مشہور واقعہ بخاری اور مسلم سب میں ہے کہ جب آپکی حالت غیر ہوئی تو آپ نے کچھ لکھنے کے لیے قلم و دوات مانگی، حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم کا مرض بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ قلم دوات یا کاغذ اور دوات لاؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھدوں تاکہ میرے بعد گمراہ نہ ہو (مسلم ج ۲ ص ۴۸، مطبوعہ مصر بخاری کے مختلف ابواب میں یہ واقعہ ہے)

آپ نے کس چیز کے لکھنے کے لیے قلم دوات منگوائی تھی ظاہر ہے کہ حدیث تھی آپ جو بھی لکھتے وہ حدیث رسول ہی ہوتی یہ بھی واضح رہے کہ یہ رسول اللہ کا آخری فعل ہے،

آپ نے اپنے عمال کو بہت سے احکام لکھوا کر بھیجے، جنپر حضرات خلفاے راشدین کے عہد میں بھی عمل ہوتا رہا، اور وہ تحریری ہدایات علم حدیث کا پہلا مجموعہ ہیں،

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آپنے کتابت حدیث کی دائمی ممانعت فرمائی تو اس سے روایت حدیث اور حدیث و سنت کے نا واجب العمل اور نا واجب الاطاعۃ ہونے کا ثبوت کہاں سے

نکلتا ہے، کتابت حدیث کی ممانعت اور شے ہے اور حدیث کی روایت اور اسکا واجب العمل ہونا اور شے، کسی قانون کے نفاذ اور واجب العمل ہونے کے لیے اس کا تحریری ہونا ضروری نہیں ہے خصوصاً عہد رسالت میں تو تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، ادھر زبان مبارک سے کچھ نکلا اور ادھر اس پر عمل شروع ہوگیا، اور پھر یہ عمل تواتر کی شکل میں چلا اس لئے تحریر کی ضرورت ہی نہ تھی، باقی حدیث کی روایت، اور اسکی اشاعت کی جو موضوع بحث ہے آپنے خود اجازت مرحمت فرمائی ہے،

حدثوا عنی ولا حرج (مسلم) مجھ سے حدیث بیان کرو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں

بلکہ تبلیغ حدیث کے لئے دعا فرمائی ہے،

عن زید بن ثابت قال سمعت رسول اللہ صلعم یقول نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ فرب حامل فقہ الی ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۹ باب فضل نشر العلم)

زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خدا اس شخص کو تر و تازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے ایک حدیث سنی اور اسکو محفوظ رکھا یہانتک کہ دوسرے کو پہنچایا کیونکہ بسا اوقات علم کا حامل اسکو ایسے شخص تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اور بسا اوقات حامل خود سمجھدار نہیں ہوتا،

آپ نے حجۃ الوداع میں جو آخری اور مشہور خطبہ دیا تھا اور جسمیں مسلمانوں کے لیے بہت احکام اور ہدایات بیان فرمائے تھے، بخاری و مسلم و ابو داؤد وغیرہ حدیث کی تقریباً کل کتابوں میں کلاً یا جزءً موجود ہے، اس کے آخر میں یہ حکم ہے کہ "فلیبلغ الشاھد الغائب" یعنی وہ لوگ جو موجود ہیں ان احکام اور ہدایات کو ان مسلمانوں تک پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں، یہ تبلیغ کا حکم کس چیز کے لیے تھا کیا حدیث کے علاوہ کوئی شے تھی اور کیا محض کانوں تک پہنچانے کا منشا تھا کہ محض سنا دینا باقی اس پر عمل کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ حضور کا آخری فعل ہے، کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد آپ کی زندگی میں کبھی مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوا، غالباً

اتنے واقعات منکرینِ حدیث کی تشفی کے لیے کافی ہونگے،

(۲) دوسری دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ خلفائے راشدین خصوصاً شیخین حدیثون کو ناقابلِ حجت سمجھتے تھے اور اس کے ثبوت مین حسب ذیل واقعات پیش کرتے ہین،

(۱) آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو جمع کرکے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ صلعم سے حدیثین بیان کرتے ہو اور اس مین اختلاف پیدا ہوتا ہے، تمھارے بعد جو لوگ آئین گے ان مین اور زیادہ اختلاف پیدا ہوگا، اس لئے تم لوگ رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث بیان نہ کرو، جو شخص تم سے حدیث پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے، اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال سمجھو اور اسکے حرام کئے ہوئے کو حرام (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)

(۲) حضرت ابوبکرؓ نے پانسو حدیثون کا مجموعہ تیار کیا تھا، ایک رات کو آپ بہت بےچین رہے، انکی بےچینی سے حضرت عائشہؓ پریشان ہوئین اور پوچھا آپ کسی بیماری کی وجہ سے بےچین ہین یا کوئی ناگوار بات پیش آئی، صبح ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ بیٹی حدیثون کا وہ مجموعہ لے آؤ جو تمھارے پاس رکھا ہے، حضرت عائشہؓ اس کو لے آئین، آپ نے اس کو لیکر جلا دیا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا آپ نے جلا کیون دیا، فرمایا مجھے خوف معلوم ہوا کہ مین مرجاؤن اور یہ مجموعہ محفوظ رہ جائے، ممکن ہے مین نے اس مین ایسے لوگون سے حدیثین لی ہون جنکو مین امین سمجھتا ہون اور مجھے ان پر وثوق ہے، لیکن وہ حدیثین ایسی نہ ہون، (تذکرۃ الحفاظ ذکر ابوبکرؓ)

حضرت عمرؓ کی مخالفت حدیث مین یہ واقعات پیش کئے جاتے ہین، (۱) آپ فرماتے تھے حسبنا کتاب اللہ (۲) لوگون کو حدیثون کی اشاعت سے روکتے تھے، قرظہ بن کعب راوی ہین کہ جب حضرت عمرؓ نے ہم لوگون کو عراق بھیجا تو خود مشایعت کو نکلے، اور ہم سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے مین تمھارے ساتھ کیون آیا ہون، لوگون نے عرض کیا ہماری عزت افزائی کے لیے، فرمایا ہان لیکن یہ بھی غرض ہے کہ تم لوگ ایسے

مقام پر جاتے ہو، جہان کے باشندون کی آوازین قرآن پڑھنے مین شہد کی مکھیون کی طرح گونجتی رہتی ہین، تم ان کو احادیث مین روک کر قرآن سے غافل نہ کردینا، قرآن مین آمیزش نہ کرو، اور رسول اللہ صلعم سے کم روایت کرو مین تمھارا شریک ہون، قرظہ جب عراق پہنچے تو لوگون نے کہا ہم سے حدیث بیان کرو انھون نے کہا ہمکو عمرؓ نے منع کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷)

(۳) ابوسلمہ نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ کیا تم اسی طریقہ سے عمرؓ کے زمانہ مین بھی حدیثین بیان کرتے تھے انھون نے کہا اگر مین عمرؓ کے زمانہ مین اس طرح حدیثین بیان کرتا تو وہ مجھکو درے سے مارتے (تذکرۃ الحفاظ ج اول)

(۴) عبداللہ بن مسعودؓ، ابو درداؓ اور ابو مسعود انصاری کو کثرتِ روایت کے جرم مین قید کردیا تھا کہ تم لوگ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہو (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷)

(۵) حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین بیان کرتے تھے، سلمان فارسی نے کہا تم اس سے باز آؤ ورنہ مین عمرؓ کو لکھونگا، (ابوداؤد)

یا اس قبیل کے دو ایک اور واقعات سے اگر مل سکین، منکرین حدیث یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حدیثون کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے ورنہ احادیث اور رواۃ کے متعلق یہ مخالفانہ طرزِ عمل کیون ہوتا

اوپر کے واقعات مین سے اکثر تذکرۃ الحفاظ مین ضرور ہین، لیکن ان سے حدیث و سنت کے خلاف نتیجہ نکالنا معترضین کی کوتاہیِ نظر اور ان کا قصورِ فہم ہے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ ان مین سے بعض روایات سرے سے غلط ہین، یہ ضروری نہین ہے، کہ تذکرۃ الحفاظ کی اس قسم کی ہر روایت قابلِ قبول ہو، خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ صحاح کی مستند روایات مین احادیث و سنت کی اشاعت اور اس کے واجب العمل ہونے کے صریحی احکام اور خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنہ کے ایک، دو نہین بلکہ بیسیون واقعات موجود ہین، (اول الذکر کی روایتین اوپر گذر چکی ہین اور آخر الذکر کی آیندہ آئین گی) اور بعض روایتون کا مطلب غلط سمجھکر ان سے غلط نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان سے مخالفتِ حدیث کا نتیجہ ہی نہین نکلتا

خود حافظ ذہبی بھی اس نتیجہ پر نہین پہنچے ہین، اگر وہ یہ نتیجہ نکالتے تو خود اتنے بڑے محدث و امام کیون ہوتے، اور مناقب محدثین کے بجائے ان کے مثالب لکھتے، پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حافظ ذہبی نے بہت سے واقعات خلفاء کے احتجاج بالحدیث والسنۃ کے لکھے ہین، ان کثیر واقعات کو چھوڑ کر بعض ایسے مشتبہ واقعات کو لینا جن سے بزعم منکرین حدیث، حدیث کی مخالفت نکلتی ہے، کہان تک جائز ہے، اوپر کی روایات سے صرف احتیاط فی الروایۃ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ ہر صاحب نظر سمجھتا ہے، اور خود حافظ ذہبی بھی یہی سمجھتے ہین اور یہی سمجھکر ان کو کتاب مین نقل کیا ہے، ان واقعات پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم کو احتجاج بالحدیث والسنۃ کے باب مین ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کو دیکھنا چاہیئے،

ان "جدید محدثین" کے علاوہ تمام محدثین اور ائمہ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ خلفائے راشدین کتاب اللہ کے بعد حدیث و سنت ہی کو رہنما سمجھتے تھے، اسی لئے وہ خلفائے راشدین کہلاتے تھے کہ کسی چیز مین عمل نبوی سے سرِ مو تجاوز نہ کرتے تھے، حدیث و طبقات کی کتابین اس قسم کے واقعات سے معمور ہین، خصوصاً شیخین اس بارہ مین اور زیادہ متشدد تھے، حضرت ابوبکرؓ کا دستور العمل یہ تھا کہ جب کوئی صورت پیش آتی تھی تو پہلے کتاب اللہ اس کے بعد سنت رسول اللہؐ کی طرف رجوع کرتے تھے، مسند دارمی مین ہے،

کان ابو بکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ صلعم فی ذلک الامر سنۃ قضی بہ فان اعیاہ خرج فسأل المسلمین (مسند دارمی)

ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے کتاب اللہ مین دیکھتے تھے اگر اس مین پاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ مین نہ ہوتا اور رسول اللہؐ سے اس بارہ مین کوئی سنت ہوتی تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے اگر اس سے بھی حل نہ ہوتا تو مسلمانون سے پوچھتے

علامہ ابن قیم بحوالہ کتاب القضاء ابو عبید لکھتے ہین،

کان ابو بکر الصدیق اذا ورد علیہ حکم نظر فی کتاب اللہ تعالیٰ فان وجد فیھا ما یقضی بہ قضی بہ وان لم یجد فی کتاب اللہ نظر فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان وجد فیھا ما یقضی بہ قضی بہ فان اعیاہ ذالک سال الناس ھل علمتم ان رسول اللہ صلعم قضی فیہ بقضاء فربما قام الیہ القوم فیقولون قضی بہ بکذا وکذا فان لم یجد سنۃ سنھا النبی صلعم جمع رؤساء الناس فاستشارھم فاذا اجتمع رأیھم علی شیء قضی بہ۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۵۱)

ابوبکر کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے کتاب اللہ مین دیکھتے تھے، اگر اس مین فیصلہ کا مواد ملجاتا تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ مین نہ ملتا تو سنت رسول اللہ صلعم مین دیکھتے، اگر اسمین فیصلہ کے متعلق کچھ مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے جب اس سے بھی عقدہ کشائی نہ ہوتی تو لوگون سے پوچھتے کہ تم لوگون کو کچھ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس بارہ مین کوئی فیصلہ کیا ہے بسا اوقات اسکے جواب مین کچھ آدمی کھڑے ہوجاتے اور کہتے کہ اس معاملہ مین رسول اللہ صلعم نے ایسا ایسا فیصلہ کیا ہے، اور جب نبی صلعم کی کوئی سنت بھی نہ پاتے تو سربرآوردہ مسلمانون کو جمع کرکے ان سے مشورہ

بیعتِ خلافت کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ دیا اس مین کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول ہی کو رہنما بنایا،

اما بعد ایھا الناس قد ولیت امرکم ولست بخیرکم ولکن نزل القرآن وسنن النبی صلعم السنن فعلمنا فعلمنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایھا الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی وان زغت فقوّمونی (طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۲۹)

اما بعد لوگو! مین تمہارے معاملات کا ولی بنایا گیا ہون مگر تم مین سے بہتر نہین ہون، لیکن قرآن نازل ہوچکا اور رسول اللہ صلعم نے طریقے بتا کر ہم کو سکھا دیا ہے اور ہم سیکھ گئے ہین ۔ ۔ ۔ ۔ لوگو! مین متبع ہون اپنی طرف سے کوئی نئی بات کرنے والا نہین ہون، پس اگر مین اچھا کام کرون تو میری امداد کرو اور اگر ٹیڑھا ہون تو مجھے سیدھا کردو،

اس پہلی تقریر مین جسمین آپ نے اپنی حیثیت بتائی ہے کہ مین پیرو ہون اپنی طرف سے نئی بات کرنے والا نہین اور کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ہی کو رہنما بتایا،

اب حضرت ابوبکرؓ کے اس اصول کی مثالین ملاحظہ ہون،

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی جبکہ آپ کا جسد خاکی بھی آنکھون سے نہان نہ ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ کو حدیث نبوی کیطرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آئی، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ مین یہ سوال پیدا ہوا کہ جسد اطہر کو کہان دفن کیا جائے، کچھ لوگ کہتے تھے مسجد نبوی مین دفن کیا جائے بعضون کی رائے تھی کہ آپ کے صحابہ کیساتھ دفن کیا جائے، اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے حدیث نبوی سے اس کا فیصلہ کیا، فرمایا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہو کہ جہان پر نبی کی روح قبض ہوتی ہے، وہین دفن کیا جاتا ہے، چنانچہ اس حدیث کے مطابق آنحضرت صلعم کا فرش اٹھا کر اسی جگہ قبر کھودی گئی (موطا امام مالک ص ۸۰ مطبوعہ دہلی، و ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ و دفنہ صلعم ص ۱۱۸)

وفات نبوی کے بعد جب حضرت فاطمہؓ نے میراث نبوی کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا،

فقال ابوبکر ان رسول اللہ قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمد فی ھذا المال وانی واللہ لا اغیر شیئا من صدقۃ رسول اللہ صلعم ولاعملن فیھا بما عمل بہ رسول اللہ صلعم الخ (مسلم ج ۲ ص ۹۰ مطبوعہ مصر و بخاری)

ابوبکرؓ نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہماری وراثت تقسیم نہین ہوتی ہم نے جو کچھ چھوڑا ہو وہ صدقہ ہے، البتہ آل محمد اس مین کھا پی سکتے ہین، خدا کی قسم مین رسول اللہ صلعم کے صدقات مین کوئی تغیر نہ کرونگا اور اس مین وہی کرونگا جو رسول اللہ نے کیا ہے،

منکرینِ حدیث کو غور کرنا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ نے میراثِ نبوی مین بھی جو حضرت فاطمہؓ کو ملنے والی تھی حدیث نبویؐ پر عمل ضروری سمجھا اور حضرت فاطمہؓ کو صاف جواب دیدیا، ایسی حالت مین اور مسائل کا کیا ذکر ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ پیش آمدہ مسائل مین آپ تنہا اپنے ہی معلومات حدیث پر اکتفا کرتے تھے، بلکہ دوسرون کی قابل اعتماد روایات پر فیصلہ کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک عورت اپنے پوتے کی میراث مانگنے آئی، قرآن مین اس کے ترکہ کا ذکر نہین ہے، اسلئے فرمایا کہ قرآن مین تمہارے ترکہ کا کوئی ذکر نہین ہے، اور نہ دادی کے ترکہ مین مجھے رسول اللہ صلعم کا کوئی حکم معلوم ہے، مغیرہ بن شعبہ بیٹھے ہوئے تھے، انھون نے کہا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ دادی کو چھٹا حصہ دلاتے تھے حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کوئی اور شاہد ہے،

محمد بن مسلمہ نے شہادت دی، ان کی شہادت سنکر آپ نے اس عورت کو چھٹا حصہ دلا دیا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲)

اس قسم کے بیسیون واقعات ہین، مثالاً صرف چند لکھ دیئے گئے، مزید کے لیے حدیث کی کتابون کی طرف رجوع کرنا چاہیئے،

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا، وہ بھی کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، بلکہ انھون نے سنت رسول کے ساتھ سنتِ ابی بکر کو بھی شامل کر لیا تھا، کہ یہ بھی سنت رسولؐ ہی پر مبنی تھی، چنانچہ اس کو ان الفاظ مین واضح فرمایا ہے،

انہ مضی لی صاحبان لی یعنی النبی صلعم وابابکر عملا عملاً وسلکا طریقًا فانی ان عملت بغیرھا سلک بی غیر طریقھما، (ابن سعد جزو ۳ ق اول ص ۲۰۷)

میرے دو ساتھی یعنی نبی صلعم اور ابوبکرؓ آگے جا چکے، انھون نے خاص قسم کے اعمال کئے اور خاص راستہ پر چلے، اب اگر مین ان دونون کے علاوہ کوئی تیسرے طریقہ پر عمل پیرا ہون تو میری وجہ سے ان دونون کے طریقون کے علاوہ ایک اور راہ کھلجائیگی

اس مین انھون نے اپنے لیے عمل رسول اور عمل ابی بکر کی پیروی ضروری قرار دی،

حافظ ابن القیم حضرت ابوبکرؓ کے طریقہ کو جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے لکھنے کے بعد لکھتے ہین کہ

وکان عمر یفعل ذالک فاذا اعیاہ ان یجد ذالک فی الکتاب والسنۃ سال ھل کان ابوبکر قضی فیہ بقضاء فان کان لابی بکر قضاء قضی بہ والا جمع علماء الناس استشارھم فاذا اجتمع رایھم علی شیٔ قضی بہ، (اعلام الموقعین ج اول ص ۷۱)

اور عمر بھی ایسا ہی (یعنی علی الترتیب کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف رجوع) کرتے تھے اور جب کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ مین بھی کچھ نہ ملتا تو لوگون سے پوچھتے کہ ابوبکرؓ نے اسمین کوئی فیصلہ کیا ہے، اگر ابوبکرؓ کا فیصلہ موجود ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ پھر صاحب علم بزرگون کو جمع کرکے ان سے مشورہ لیتے، جس رائے پر سب کا اتفاق ہو جاتا اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے،

قضاۃ کو عہدۂ قضاء پر مقرر کرتے وقت خاص طور سے کتاب اللہ اور اس کے بعد سنت رسول کے مطابق فیصلون کی ہدایت کرتے تھے، چنانچہ جب تاریخ اسلام کے مشہور قاضی شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تو ہدایت کی،

انظر ما یتبین لک فی کتاب اللہ فلا تسأل عنہ احداً وما لم یتبین لک فی کتاب اللہ فاتبع فیہ سنۃ رسول اللہ وما لم یتبین لک فیہ السنۃ فاجتہد فیہ رایک، (الاعلام الموقعین ج ۱ ص ۷۱)

جو مسئلہ پیش آئے اسمین پہلے کتاب اللہ کو دیکھو جو اس سے تمھارے لیے ظاہر ہو اور کسی سے نہ پوچھو اور جب کتاب اللہ سے ظاہر نہ ہو تو اس مین سنت رسول اللہ کی اتباع کرو، اور جب سنت سے بھی ظاہر نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو،

چونکہ آپ کے زمانہ مین بکثرت فتوحات ہوئین نئے نئے ملک زیرنگین ہوئے، نئی نئی قومین اسلام کی حلقہ بگوش ہوئین اس لئے آپ نے ان ملکون کے عمال کو انتظام ملکی کے ساتھ اہل ملک کی دینی اور سنت نبوی کی تعلیم کا بھی حکم دیا، چنانچہ آپ نے اپنی شہادت کے وقت خدا کو اپنے جن اعمال پر شاہد بنایا تھا ان مین ایک تعلیم سنت رسول بھی تھی،

قال اللّٰھم انی اشھدک علی امراء الامصار فانی انما بعثتھم لیعلموا الناس دینھم وسنۃ نبیھم ویعدلوا علیھم ویقسموا فیئھم بینھم ویرفعوا الی ما اشکل علیھم من امرھم، (ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۲۴۳)

(عمر نے) کہا خدایا مین تجھکو ملکون کے حکام پر گواہ ٹھہراتا ہون کہ مین نے ان کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ لوگون کو انکا دین اور ان کے نبی کی سنت سکھائین اور ان مین انصاف کرین اور مال غنیمت کا حصہ تقسیم کرین اور انھین جو مشکل پیش آئے اس کو میرے سامنے پیش کرین،

امراء اور عمال کے علاوہ علماء صحابہ کو اشاعت حدیث کے لیے مختلف ملکون مین بھیجتے تھے، چنانچہ فقہ الامت عبداللہ بن مسعود کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ، معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ، اور عبادہ بن صامت کو شام، روانہ کیا، اور امیر معاویہ والی شام کو لکھا کہ یہ لوگ حدیث سے مرو

نہ تجاوز نہ کرنے پائین (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۶)

اوپر کی روایات احتجاج بالحدیث والسنہ کے بارہ مین حضرت عمرؓ کے اصول کی تھین، اب واقعات کی صورت مین ان کی مثالین ملاحظہ ہون،

شیبہ راوی ہین کہ ایک مرتبہ عمرؓ نے جبکہ وہ مسجد (کعبہ) مین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے مجھ سے کہا کہ مین نے ارادہ کرلیا ہے کہ تمام سونا چاندی مسلمانون مین تقسیم کردونگا اور اس گھر (کعبہ) مین کچھ نہ رکھونگا، مین نے کہا تم کو اس کا کیا حق ہے انھون نے کہا کیون مین نے کہا اس لئے کہ تمھارے دونون ساتھیون (رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ) نے ایسا نہین کیا، عمرؓ نے کہا مین انھین دونون کی اقتدا کرتا ہون، (بخاری باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلعم ج ۲ [illegible])

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ علی الترتیب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، سنت ابوبکر اور اجماع صحابہ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے اور سب سے آخر مین اجتہاد کرتے تھے، لیکن اجتہاد کی صورت مین فیصلہ کے بعد اگر سنت رسول اللہ کا پتہ چل جاتا تو فیصلہ پلٹ دیتے، ابن مسیب راوی ہین کہ عمر بن الخطاب نے ایک مرتبہ انگلیون کی دیت کے بارہ مین کوئی فیصلہ کیا اس کے بعد اس بارہ مین ان کو آنحضرت صلعم کے ایک فرمان کا جو آپ نے ابن حزم کو لکھا تھا، حوالہ دیا گیا تو اپنا پہلا فیصلہ منسوخ کردیا، (سیرت ابن خطاب ابن جوزی ص ۱۲۵)

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک مجنون زانیہ عورت کو سنگسار کرنا چاہا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ تین شخص مرفوع القلم ہین، سونے والا جبتک بیدار نہ ہوجائے، بچہ جب تک بالغ نہ ہوجائے، مجنون جب تک صحیح نہ ہوجائے، اور سمجھنے لگے، یہ حدیث سنکر حضرت عمرؓ نے عورت کو چھوڑدیا، (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴۰)

یہی نہین کہ آپ مسائل اور احکام مین سنت نبوی کو دلیل راہ بناتے تھے، بلکہ بعض ان سنتون مین جن سے بظاہر کوئی فائدہ متصور نہ ہوتا محض سنت رسول ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرتے تھے، حجر اسود کا بوسہ لینا ارکان حج مین نہین ہے، بلکہ محض سنت ہے، اور ایسی سنت جس سے بظاہر کوئی غرض بھی

مقصود نہین، حضرت عمرؓ محض سنت کے خیال سے بوسہ دیتے تھے، اور کوڑا مار کر کہتے کہ مین جانتا ہون کہ تو کسی کو کوئی فائدہ نہین پہنچا سکتا، لیکن رسولؐ اللہ نے بوسہ لیا ہے، اس لیے مین بھی لیتا ہون، (مسلم و بخاری کتاب المناسک)

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تھی تو مجمع عام مین کھڑے ہو کر پوچھتے تھے کہ اس صورت کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے، تکبیر جنازہ، غسل میت، جزیہ مجوس، اور اس قسم کے صدہا مسائل کے متعلق آپ نے صحابہ سے پوچھ کر احادیث کا پتہ لگایا، جنکی تفصیل حدیث کی کتابون مین مذکور ہے، البتہ خبر احاد کو بغیر تائیدی شہادت کے نہ قبول کرتے تھے، اس پر آئندہ بحث آئیگی، ایسی حالت مین یہ دعویٰ کہانتک صحیح ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ حدیث کو قابلِ حجت نہ سمجھتے تھے،

اس تفصیل کے بعد تذکرۃ الحفاظ کی ان روایات کی توضیح و تنقید کیجاتی ہے، جنکو منکرین حدیث اپنی تائید مین پیش کرتے ہین، ناظرین کو ان مخالف روایات کو جو اوپر گذر چکی ہین پیش نظر کر لینا چاہیے،

۱۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگون کو روایتِ حدیث سے اس لیے نہین روکا تھا کہ وہ ان کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے، بلکہ ان کی تشریح کے مطابق اس کا سبب یہ تھا،

انکم تحدثون عن رسول اللہ صلعم احادیث تختلفون فیہا والناس بعدکم اشد اختلافا فلا تحدثوا عن رسول اللہ شیئاً فمن سألکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب اللہ الخ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳)

تم لوگ رسول اللہ صلعم سے ایسی حدیثین بیان کرتے ہو کہ جنمین اختلاف کرتے ہو، جب تمھارا یہ حال ہے تو تمھارے بعد آنے والون مین اس سے زیادہ اختلاف ہوگا، اس لیے رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث روایت نہ کرو، جو شخص تم سے پوچھے اس سے کہدو کہ ہمارے تمھارے درمیان کتاب اللہ ہے،

اولاً یہ روایت مرسل ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے تصریح کر دی ہے، فقط ایک تابعی کا بیان ہے، پھر اس مین اس ممانعت کا سبب خود بیان کر دیا ہے کہ اس کا سبب مسلمانون کو اختلاف سے بچانا ہے نہ کہ حدیث کا انکار اور اس کا ناقابل حجت ہونا، واقعہ یہ ہے کہ بعض لوگ بلا امتیاز ہر قسم کی حدیثین بیان کرتے تھے، جو

باہم مختلف ہوتی تھین، اس سے مسلمانون مین اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے عوام کو روایتِ حدیث کی ممانعت کر دی تھی، لیکن اس سے روایتِ حدیث کا دروازہ بند کرنا مقصود نہ تھا، ورنہ وہ خود حدیثون سے کیون تمسک کرتے، حافظ ذہبی اس روایت کے بعد ہی اپنی راے لکھتے ہین،

فہذا المرسل یدلک ان مراد الصدیق التثبت فی الاخبار والتحری لا سد باب الروایۃ الا تراہ لما نزل بہ امر الجدۃ ولم یجدہ فی الکتاب کیف سال عنہ فی السنن فلما اخبرہ الثقۃ ما اکتفی حتی استظھر بثقۃ اخر ولم یقل حسبنا کتاب اللہ کما تقول الخوارج (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۳)

اس مرسل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ابوبکر صدیق کا مقصد حدیثون کی تصدیق اور توثیق تھی نہ حدیثون کا دروازہ بند کرنا، تم نے نہین دیکھا کہ جب ان کے پاس دادی کے ترکہ کا معاملہ آیا (اسکا واقعہ اوپر گذر چکا ہے) اور کتاب اللہ مین انھون نے نہین پایا تو کیسے اس مسئلہ مین رسول اللہ کی سنت دریافت کی، اور جب ایک ثقہ نے ان کو خبر دی تو اسکو کافی نہین سمجھا، جبتک دوسرے نے تصدیق نہین کی، اسوقت خوارج کی طرح انھون نے یہ نہین کہا

ایسی حالت مین اس روایت سے جو مرسل ہے، حضرت ابوبکرؓ کے انکار حدیث کا نتیجہ کس طرح درست ہو، اس کی صحت کی حالت مین صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے عوام کو جو بلا امتیاز ہر طرح کی حدیثین روایت کرتے تھے، اختلاف کے خطرہ سے روکا تھا،

۲۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنا لکھا ہوا پانسو حدیثون کا مجموعہ جلا دیا تھا، اولاً یہ روایت ہی صحیح نہین ہے اس کا راوی ابراہیم بن عمر بن عبید اللہ التیمی مجہول ہے، رجال کی کتابون مین اس کا ذکر ہی نہین جبکا راوی ایسا مجہول ہو اسکی روایت کا کیا پایہ ہو سکتا ہے، خود حافظ ذہبی بھی جنھون نے بحیثیت واقعہ نگار یہ روایت نقل کی ہے اسے قابلِ اعتبار نہین سمجھتے اور آخر مین لکھتے ہین کہ "لا یصح ذالک" یہ روایت ہی صحیح نہین ہے، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵) پھر اس سے استدلال کیا، اس علمی خیانت کو دیکھیے کہ

منکرین حدیث اوپر کا واقعہ تو ذہبی سے نقل کرتے ہین، اور آخر کا ٹکڑا جہین اس روایت کے عدم صحت کا ذکر ہے، چھوڑ دیتے ہین، لیکن بالفرض اگر اسکی صحت تسلیم بھی کرلیجائے تو اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ حضرت ابوبکر صدیثون کو قابلِ حجت نہین سمجھتے تھے، اگر وہ ایسا سمجھتے تھے تو وہ پہلے ہی کیون لکھتے، اس کا سبب خود انھین کی زبان سے یہ تھا۔

خشیت ان اموت وھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد ائتمنتہ ووثقت ولم یکن کما حدثنی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵)

مجھے یہ خوف معلوم ہوا کہ مین مرجاؤن اور یہ مجموعہ میرے پاس رہجائے اور اس مین ایسی حدیثین ہون جن کو مین نے ایسے آدمیون سے لیا ہو جنھین مین امین اور قابل وثوق سمجھتا ہون اور وہ درحقیقت ایسے نہ ہون،

اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے اس لئے نہین جلایا تھا کہ سرے سے حدیث ہی کے منکر تھے، بلکہ آپ کو ان کے راویون پر پورا اعتماد نہ تھا، ایسی حالت مین ان کا جلادینا ضروری معلوم ہوا، لیکن یہ واقعہ ہی صحیح نہین ہے، اور خود اس عبارت مین "احادیث" اور "وثوق" کے دو لفظ ایسے ہین جو ان معنون مین قرن اول مین مستعمل نہ تھے، اس سے یہ روایت سراسر ناقابل اعتبار ہوجاتی ہے،

حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت حدیث کی بنیاد انھین دو حصون مین قائم کیجاتی ہے، جس کی حقیقت ظاہر کردی گئی،

خطبات مدراس

مولٰنا نے ۱۹۲۶ء مین مدراس مین سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے (لکچرز) دیئے تھے جو نہایت مقبول ہوئے اور مسلمانون نے ان کو بے حد پسند کیا، ان آٹھ لکچرون مین نہایت مؤثر الفاظ مین اور تاریخی دلائل کیساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپکی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہو، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین بھی تقسیم کئے جائین، اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین ان کو پڑھایا جائے، ضخامت ۱۵۰ صفحے، قیمت: ۱۲؍

"منیجر"

علی عادل شاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا اُردو کُلیات

سنہ ۱۰۶۷ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ

از

مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی، مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" حیدرآباد دکن

"مولوی نصیرالدین صاحب ہاشمی مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" اردو کی ابتدائی تاریخ کی گمشدہ کڑیون کی تلاش وجستجو مین سرگردان رہتے ہین، موصوف اس سے پہلے وجہی، نظامی اور ابراہیم عادشاہ کی مثنویون کو پہلی مرتبہ ان صفحات مین روشناس کرچکے ہین آج وہ سلطنت عادلشاہی کے ایک تاجدار سلطان علی عادل شاہ کے کلیات کو پہلی مرتبہ روشناس کررہے ہین، امید ہو کہ اسے بھی دلچسپی سے دیکھا جائیگا"

"سید ریاست علی ندوی، سب اڈیٹر معارف"

یہ ہمین معلوم ہے کہ بیجاپور کے آٹھوین حکمران سلطان علی عادل شاہ ثانی کا تخلص شاہی تھا اور وہ عموماً اردو زبان مین طبع آزمائی کیا کرتا تھا، مگر آج تک اس کے کلام کے متعلق کافی تفصیلات سے آگاہی نہین تھی، اس کی ایک مثنوی کے متعلق ہم نے ایک علحدہ مضمون لکھا ہے،

آج سلطان کے کلیات کا ناظرین سے تعارف کرایا جاتا ہے، اس کا ایک مخطوطہ ہم کو برہان پور سے دستیاب ہوا تھا، اور اب وہ دفتر دیوانی ومال سرکار نظام (حیدرآباد) کے کتب خانہ[1] مین محفوظ ہے،

[1] یہ دفتر سرکار آصفیہ حیدرآباد کا ہسٹاریکل ریکارڈ آفس ہے، اس مین فارسی، عربی، اردو اور انگریزی مخطوطات کا کافی ذخیرہ جمع کیا گیا ہو جس مین ایک بڑا حصہ نایاب اور کمیاب مخطوطات کا بھی ہے،

اس کلیات کے تعارف سے پیشتر خود سلطان علی عادل شاہ ثانی کی سوانح زندگی کو مختصراً بیان کرنا بے محل نہ ہوگا،

بیجاپور کے عادل شاہی حکمرانوں میں سلطان علی عادل شاہ ثانی آٹھوان تاجدار ہے، جو سلطان محمد عادل شاہ کا اکلوتا چشم و چراغ تھا، ۲۶ ربیع الثانی ۱۰۴۸ھ کو بیجاپور میں پیدا ہوا چونکہ سلطان محمد کے اس سے پہلے کوئی اولاد نہین ہوئی تھی اس لیے اس کے تولد پر بڑی خوشی منائی گئی، غربا کو خیرات تقسیم ہوئی، علماء شعراء اور امرا کو جاگیر و مناصب سے سرفراز کیا گیا، شعرا نے قصیدے پیش کئے اور تاریخین نکالین، منجملہ اُن کے خواجگی آقا نے جو قطعہ موزون کیا تھا، اس کا مصرعۂ تاریخی حسب ذیل تھا،

مولود شہزادہ گفت کوکب شوکب رسید

خدیجہ سلطان شہر بانو جو سلطان محمد عادل شاہ کی ملکہ اور سلطان محمد قطب شاہ والیِ گولکنڈہ کی دختر تھی، اس نو مولود کو اپنے آغوش مین لیکر تعلیم و تربیت مین مصروف ہوئی، لائق معلم اور قابل مؤدب شہزادے کی تعلیم و تدریس کے لیے مامور کئے گئے، اس زمانہ کی سوسائٹی مین حکمرانی کی قابلیت حاصل کرنے کے لیے جس نصاب کو ختم کرنا ضروری تھا اس کا باحسن وجوہ انتظام عمل مین آیا، اس اہتمام اور انتظام، علمی ماحول، قابل اور صاحب تدبیر ماں کی تربیت اور نگرانی کا اثر تھا کہ شہزادہ علی اپنے زمانہ کا نامور ادیب، بلند پایہ شاعر، قابل مدبر اور فنونِ جنگ مین آزمودہ کار سپہ سالار ثابت ہوا،

باپ کے انتقال پر محرم ۱۰۶۷ھ مین انیس سال کی عمر مین سلطنت کی باگ ہاتھ مین لی، درباری شاعر عبدالغنی نے

نوبت شاہی زدہ بعد محمد علی

سے تاریخ نکالی ہے،

محمد عادل شاہ کے زمانہ ہی مین سلطنت عادل شاہی کا شیرازہ درہم برہم ہونے لگا تھا، مغلیہ شاہنشاہی کی حکمت عملی اب اس امر کی مقتضی تھی کہ دکن کو بھی اپنی سلطنت کا ایک جزر بنا لے، چنانچہ شاہجہان کی جانب سے اورنگ زیب نے حملہ کرکے بیدر، کلیانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا، اور خود بیجاپور کی باری تھی کہ شاہجہان کی علالت کی

خبر آئی، اورنگ زیب نے عارضی طور پر صلح کر لی،

یہ وہ زمانہ ہے جبکہ سلطنت عادل شاہی مین اسبابِ زوال اپنا کام کر رہے تھے، ارکان و عمائدِ حکومت عیش پرستی کے خوگر ہو چکے تھے، نظم و انتظام کی چولین ڈھیلی پڑ رہی تھین،

اورنگ زیب سے صلح کے بعد عادل شاہی دربار نے ابھی سنبھالا نہین لیا تھا کہ اسی اثنا مین سیواجی نے حکومت کے خواب دیکھنے شروع کئے، عادلشاہی سپہ سالار افضل خان کا سیواجی کے ہاتھون دھوکہ سے مارا جانا تاریخ کا ایک غمناک اور دردانگیز واقعہ ہے، اس جرم کی سزا دینے کے لیے سدی جوہر المخاطب صلابت خان روانہ کیا گیا، صلابت خان سیواجی کی سازش کا شکار ہو گیا اور دونون شیر و شکر ہو گئے، اب خود سلطان نے فوج کشی کی، سیواجی کا فرار ہونا صلابت خان کا قلعہ پنالہ مین محصور ہو کر طالبِ عفو ہونا اور پھر سرتابی کرنا اور بالآخر شکست کھا کر انتقال کرنا سب کچھ تاریخ کے مشہور واقعات ہین، تفصیل کی ضرورت نہین،

علی عادل شاہ کے مصائب کا سلسلہ اسی پر ختم نہین ہوا، سلطنت عادل شاہی اعدار کے نرغے مین تھی لیکن سلطان نے اپنی فراست و دانشمندی اور قابلیت کے بل بوتے پر ان مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی، چنانچہ سلطنت مین کچھ اضافہ بھی ہوا، ملیبار اور بدنور وغیرہ فتح ہوئے، سلطان نے کرناٹک کے جانب توجہ کی تھی کہ سیواجی نے پھر سر اُٹھایا، اورنگ زیب کے حسب خواہش علی عادل شاہ نے سیواجی کے قلع و قمع پر کمر باندھی، دربار مغلیہ سے بھی جے سنگھ کی سپہ سالاری مین فوج روانہ ہوئی، ابھی فوج آئی نہین تھی کہ سیواجی عادل شاہی لشکر سے مقابلہ کی تاب نہ لا کر پونہ کی جانب فرار ہو گیا، مغلیہ فوج نے پونہ کا محاصرہ کر لیا، سیواجی کی سازش جے سنگھ پر بھی کارگر ہو گئی، دونون مل کر بیجاپور پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے، دو سال کی مسلسل ناکامی کے بعد مغلیہ فوج واپس ہو گئی، اس کے بعد سیواجی نے پھر ہاتھ پیر نکالے، لیکن صلح ہو گئی،

اب خود سلطان کا پیمانہ عمر بھی لبریز ہو گیا اور پینتیس ۳۵ سال کی بھری جوانی مین سولہ ۱۶ سال کے حکومت کے بعد سفرِ آخرت اختیار کیا، "پادشہ دین علی کرد وطن بر جنان" تاریخِ وفات ہے (۱۰۸۳ھ)

سلطان علی عادل شاہ ایک منصف مزاج، دادگستر اور رعیت پرور حکمران تھا، علم و فضل کا قدردان اور خود بھی ذی علم تھا، نہایت خوش مزاج، رنگین طبع اور لطیفہ گو، بذلہ سنجی مین مہارت تامہ رکھتا تھا، شعر و سخن مین ید طولیٰ حاصل تھا، علماء و فضلا اور شعرا کا قدردان تھا اس کے اسی انہماک کا نتیجہ تھا کہ اس کے زمانہ مین گھر گھر شعر اور شاعری کا چرچا تھا اور ہر طرف علمی چہل پہل تھی،

سلطان کو فنون لطیفہ سے اچھا ذوق تھا، شاعری اور موسیقی مین مہارت تھی، عمارات سے دلچسپی تھی، متعدد قصر و محل تعمیر کئے تھے،

اس کی علمی قدردانی اور ذوقِ شاعری کے متعلق عالمگیری مورخ خافی خان لکھتا ہے:-

"بادشاہ بود باہوش، سپاہ دوست و در سخاوت و شجاعت و وسعت خلق مشہور، فضلا و صلحا را دوست داشتے و شاعران را حرمت نمودے، خصوص در حقِ شاعرانِ ہندی زیادہ مراعات می فرمود"

اسی طرح ابراہیم زبیری نے بساتین السلاطین مین لکھا ہے:-

"چون طبع ہمایون بادشاہ اکثر میل بجانب لغت خاص خویش یعنی زبان دکھنی داشت برطبق الناس علی دین ملوکہم شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند، خانہ بخانہ ہنگامہ شعرِ تازہ گوئی گرم داشتہ اند" (ص ۴۳۰)

قاضی نور اللہ جو اسی عہد کا مورخ ہے، اپنی کتاب تاریخ علی عادلشاہ مین لکھتا ہے:-

"این بادشاہ ظل اللہ را کہ در روز ازل از استاد و علمنا من لدنا علما کسب کمالات کونی و الٰہی و فضائل ظاہری و باطنی در مدرسہ خلق الانسان علمہ البیان کردہ کرسی نشین قرب خالقِ ذوالجلال و صدر گزین جوار قادر متعال بود، گنج لیاقت و استحقاق سبب علیت ظہور مذکور خداوند علی الاطلاق در ذات عظیم المرتبت رفیع المنزلت آن نور سراپا

سرور ودیعت نہادہ"

ان تفصیلات سے جس طرح یہ واضح ہے کہ سلطان کی علمی قابلیت مسلمہ تھی اور وہ علماء و فضلا کا قدردان تھا یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو ہندی یا بہ الفاظ دیگر اردو شاعری سے بھی خاص شغف تھا، یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار مین بیسیون شعرائے نامدار جمع تھے جیسے نصرتی، ہاشمی، مرزا وغیرہ مشہور ہین، نصرتی ملک الشعراء تھا، اس کی تصنیفات گلشن عشق اور علی نامہ سے سلطان کے حالات پر جسطرح روشنی پڑتی ہے وہ اب عام طور سے معلوم ہے، اس کی صراحت اردو شہ پارے اور یورپ مین دکھنی مخطوطات سے ہو سکتی ہے، یہان ان کی تفصیل کا موقع نہین مگر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ نصرتی جیسا بلند پایہ شاعر خود سلطان کا خوشہ چین اور اسی کا شاگرد تھا،

یہ امر قابل افسوس تھا کہ تاحال سلطان کا کلام گوشۂ گمنامی مین تھا، مگر اب نہایت مسرت کیساتھ سلطان کے کلیات کو علمی دنیا کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہے،

زیر بحث کلیات کے (۲۴۰) صفحے ہین، فی صفحہ چھ سطر ہین، خط نسخ نہایت پاکیزہ لکھا ہوا ہے اعراب بھی دیئے گئے ہین، مطلا جدول ہے،

تمام اصنافِ سخن یعنی قصیدے، مثنویان، غزل، مخمس، مثمن، رباعی، فرد، اسمین شامل ہین تخمین بھی ہین

پہلے اس امر کی بھی صراحت ضروری ہے کہ اس کلیات کو سلطان علی عادلشاہ ثانی المتخلص بہ شاہی کا کلیات قرار دینے کے کیا وجوہ ہین،

(الف) کلیات مین متعدد جگہ شاہی تخلص آیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ شاہی علی عادلشاہ ثانی ہی کا تخلص تھا،

"روزے علی عادلشاہ مرزان کا را بحضور طلبیدہ مدارت و عنایات بدو نمود و تکلف نمود کہ زبان را بمدح بادشاہ آشنا سازد، مرزان گفت زبانے را کہ در حمد و نعت و منقبت وقف گردیدہ در حکم من نماندہ بادشاہ مکرر تکلیف نمود ناچار یک دو مرثیہ بزبان سلطان گفتہ بجائے اسم خویش

تخلص علی عادل شاہ کہ شاہی بود بہ قسمے داخل نمودہ کہ ذومعنی واقع شدہ"۔ (بساتین السلاطین ص ۴۴۳)

(ب) اشعار ذیل اس امر کا تی ثبوت پیش کرتے ہین کہ یہ علی عادل شاہ ہی کا کلیات ہے،

تیرا یا دن رات شاہی کا کاج ۔۔۔ ترے فیض سون ہے اُسے تخت و تاج

مظفر علی شاہ کے ہات کا ۔۔۔ اچک تیر لاگیا نشان کے پلک (ص ۱۴)

لاکھ سون بھون چٹ بہوت سون سیدسین بناوے ۔۔۔ بھید پر دنگ گت علی عادل سیوک مرتضیٰ ترت بجاوے (ص ۱۵)

سلطان کی کنیت ابوالمظفر ہونے کی تصدیق نہ صرف تاریخون سے ہوتی ہے بلکہ نصرتی کے ذیل (ص ۲۱۹) کے اشعار سے بھی اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے،

علی عادل شہ غازی شہنشہ بوالمظفر کون ۔۔۔ دیا ہے جس خدا ایسا کہ تھا جیسا سکندر کون

الٰہی سور یونت ان کو عالمگیر ہے جگ مین ۔۔۔ تمک جم فتح و نصرت دے یو شاہ بوالمظفر کون

ج :۔ کلیات کے عنوانات مین صراحت کیگئی ہے، "حضرت شاہی فرمودند"

د :۔ شرف برج اور بادشاہ محل کی تاریخین ۱۰۸۰ھ و ۱۰۸۱ھ کی برآمد کی گئی ہین، اس زمانہ مین علی عادل شاہ ثانی ہی حکمران تھا،

ه :۔ شرف برج کی تاریخ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریخ کا مصنف خود سلطان ہے،

و :۔ علی داد محل کی تعمیر اسی سلطان نے کی تھی اس کے قصیدے کا طرز بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہی اس کا بانی ہے،

ان تفصیلات سے اس امر کی بخوبی تصدیق ہوجاتی ہے کہ یہ کلیات سلطان علی عادلشاہ ثانی ہی کا ہے، ایک اور امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ اس کلیات کی ترتیب کب ہوئی؟ کلیات کے خاتمہ پر کوئی تاریخ درج نہین ہے مگر اس مین بادشاہ محل کی تاریخ ۱۰۸۱ھ درج ہے اس سے واضح ہے کہ اس سنہ کے بعد ہی اسکی ترتیب ہوئی ہوگی۔

کلیات کا کاغذ نہایت عمدہ زرافشان ہے، اور خط بھی نہایت پاکیزہ ہے، قیاس ہوتا ہے کہ شاید شاہی کتب خانہ ہی کا نسخہ ہو،

قصائد دکھنی قصائد کی بناء فارسی پر قائم ہوئی ہے اس لیے جو لوازم فارسی قصائد کے ہین وہی دکھنی قصائد مین نظر آتے ہین، تمہید، گریز، مدح، تعریف اور دعا، قصیدے کے اجزا ہوتے ہین، دکھنی قصائد مین نصرتی کے قصیدے خاص طور پر قابلِ ذکر ہین، جو تسلسلِ مضمون اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے ممتاز ہین،

زیر بحث کلیات مین شاہی کے چھ قصیدے ہین، پہلا قصیدہ حمد مین ہے، دوسرا نعت مین، تیسرا منقبت حضرت علیؓ مین، چوتھا منقبت دوازدہ امام مین، پانچوان حوض، علی داد محل اور باغ کی تعریف مین، اور چھٹا چار درچار کے عنوان سے ہے، پہلے قصیدہ مین ابتدائی ورق نہ ہونے سے چند شعر کم ہین، موجودہ تعداد ۲۷ ہے، جو اشعار موجود ہین ان مین ابتدائی اشعار حسب ذیل ہین :۔

عقل کا مکتب ہوا فہم کے پڑھنے بدل ۔۔۔ عقل معلم این قصہ سکھایا کہن،

عقل خبردار ہے عقل ہمہ کارہے ۔۔۔ عقل کا جاسوس ہو مکہ یہ اچھے یو کرن

عقل کا موتی مگر مغز کے طبلے بہتر ۔۔۔ خوب دساوے جھلک درجگ درعدن

عقل کسوٹی ہوئی طبع کے کسنے بدل ۔۔۔ بوجھ رکھیا ہے صراف قلب کھرا جیو کنچن

اسی طرح عقل کی تعریف کرنے کے بعد :۔

خاک کی تیلی بنا روح لے تن مین بھرا ۔۔۔ جال چلا کر اول آپ سکھایا مکن

آب و آتش ملا خاک و ہوا تے کلا ۔۔۔ چار عناصر لگا دیہ سنوار یا ہمن

دور پھرین جو تمام سجدہ کرین صبح و شام ۔۔۔ لیکہ ستاریان سنگات چاند سورج ہور گگن

نور کا جھلکاٹ دے حور پری لک سنوا ۔۔۔ سات طبق سرک کے پور رکھیا ذوالمنن

دوسرا قصیدہ جو نعت مین ہے پچاس شعر کا ہے، یہ بہاریہ قصیدہ ہے، تمہیدی شعر ملاحظہ ہون :۔

دیکھو نوروز جنجل یو بہارستان دکھایا ہے
برگہن پھل و پھولان مین پون کے ہت کھلایا ہو

سرک کی اوج کی کرسی سنوار یا دل ہو دن کر
چندر ناری بلانے گھر بسنت سارا بنایا ہے

براتی سب بلایا ہے شرف اپنا دکھایا ہے
زری کسوت سراپا کر سورج نوشو ہو آیا ہے

او رک جل تھل بھرے حوضان نہین ہے جانو بھوین پہ
چندر کا مکھ دکھانے تین سرج ارسیان منگایا ہے

گریز یون ہے،

ود بو لیا باغ مالی سون بڑا ہے نانون سو کس کا
کھیا وو اسم احمد کا جنے دین آپ نپایا ہے

محمد شاہ مرسل کا منگیا جب نعت کہتے مین
مٹھائی پا کر من میرا یو مضمون چُن کر لیایا ہے

محمد سا نہین پیدا کیا کرتار تر جگ مین
اسی کے عشق تین سو نسار تر جگ کا برایا ہے

فرشتان کا نہ تھا پھیر اندان تھا نور سو تیرا
ترے احکام محشر لگ جگت کے سر چڑھایا ہے

براق تج دین کا کس ہے دوجے دین سب ہوئے پس ہو
ترے انگشت کے کس نین چندر دو کھنڈ گرایا ہے

تیسرا قصیدہ منقبت حضرت علیؑ مین ہے، اس کے پچانش شعر ہین، تمہید :-

ارے کلال مجکون پیالا پلا کیا کا
تا مست ہو کر دیکھون مکڑا علی پیا کا

پیو جیو کا گسائین پیو سون پرت لگائین
پینا شراب پیو مل پانی ارت پیا کا

گریز :-

شاہ نجف ولی ہے تس نانون سو علی ہے
وُو راز دان احمد سلطان اولیا کا

جس ذات مین محبت کرنا اچھے علی کی
حیران سدا پرے دد جیون سنگ آسیا کا

تج شت جوان آگین مغلوب ہین عدو سب
تون شیر ہے ازل تھین موصوف انبیا کا

تلوار کی تعریف ملاحظہ ہون :

تج تیغ کی جھلک تھین بجلی چھپی گگن مین
شمشیر زن تھین ہے سردار اصفیا کا

تج تیغ تیز آگین اوسان سب لبریا
پانی گیا ہے مکھ تھین چت بھول بیریا کا

خاتمہ :-

شاہی ہوا ہی عاشق سن نانون مرتضیٰ کا
سایا او سیج کا ہے تس سیس پر دیا کا

چوتھا قصیدہ دوازدہ امام کی منقبت مین ہے اس کے (۶۵) شعر ہین، تمہید :-

تج دل کے رسے میدان پر جب عشق کے فوجان چڑے
تب ہوش کے راوت جتی مخمور ہو بے خود پڑے

جو عشق کے سلطان کا فرمان کہت مین آئیا
اقبال ہو پاتان یو دُو خدمت بدل نس دن کھڑے

امام حسین علیہ السلام کی تعریف مین کہتا ہے :-

سارے جہان مین نین ہوا تج سار کا شمشیر زن
جس پر کیا یک وار تون دو دھڑ برابر ہو پڑے

تج کھرک کی ہور علم کی تعریف مین کیون کر سکون
حق کی عنایت تجھے ادِک یو وصفت تج ہٹ چڑے

پھر پھیر ہوا لازم مجھے تعریف کہنا شاہ کی
تو مطلع ثانی کیا رات شوق سون ہر یک پڑے

نا بولنے تج جان تے تھے طبع کے جو گھر پڑے
تر لوک مین شیا نے دسے جب درس مین شہ کے چڑے

پانچوان قصیدہ حوض - علی داد محل اور باغ کی تعریف مین ہے اس قصیدہ کے (۶۵) شعر ہین یہ لامیہ قصیدہ ایک زبردست قصیدہ ہے، اسی بحر اور ردیف مین نصرتی نے بھی ایک قصیدہ لکھا ہے، محسن کاکوری کا وہ مشہور قصیدہ نعت بھی جسکا پہلا مصرعہ "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" ہے، اسی بحر مین ہے سلطان نے علی داد محل کو ۱۰۶۹ھ مین تعمیر کیا تھا اس کا باغ بھی مشہور و معروف تھا،

دسے تج نین مین اس حوض پہ چند نا یو نجھل
دھر یا ہے چاندنی جیو نیکہ اپس مکہ کے آ کل

صفائی دیکھ کر اس حوض کی چندر دائم
چلے آکاس پہ اِت شوق سون امرت تے ادبل

پریان اچرج ہو کھیان دیکھ کر اس حوض کہ تین
اچھے امرت تے بھریا حوض یو سمدر تے ڈکل

علی داد محل کی تعریف :-

کسوایا اٹھوان سمد رپھر یا جب نیر سون حوض   سزاوار اس کے انگے ہے یو علی داد محل

بایا یو اچھے اس قصر کا پاتال تلک   طاق کسریٰ ہوے معراج اسے زہ کے اکل

باغ کی تعریف:۔

مقدم دیس ونس کا بیان کم زیادت کرکے   بولیا ہون یہان تے ہین تعریف کچ یک باغ بول

. . . .

بھرے ہین باغ کے تختے گلان ہر جنس تے کے   خصوصاً ریوینی تس مین یو دسادی جنجل

. . . .

دسے شربت کے یو کوزے جتے ناریل کے کپر   میٹھے کئی نیر کے چشمے تے بھریا ہے منجل

نارنگی رنگ کا ہوس دھر لگی ایاغ مینے   رنگائے تن کون سراسر دیکھو ہور رنگ رس مین لگ

خاتمہ:۔

بہلان پھولان سون عمارت کی ہوئی جب یو صفت   بھرے معنی سون یک یک بول دساوے افضل

دکھانے طبع کی قوت شاہی اس بحر منے   بندھیا ہر بیت مین کئی لفظ یو صنعت کے نول

جان ہور دل تھے اجابات دعا منگتا ہے   تا اچھے امن مین سکھ چین تے یو خلق سگل

جو لگون نور سون دن کرا چھے ہور چاند وگگن   جو لگون زہرہ ہے زاہر اچھے ہور پر زحل

مشتری سعد ہے جو لگ و عطارد ہے دبیر   جو لگون پانچو منے اکاس پہ دستا ہے منگل

جو لگون رات دن دُپہر گھڑی جشن منے   بجوانند سون اس گھر مین سدا تا ل منڈل

چھٹا قصیدہ چار در چار کے عنوان سے ہے اس کے (۱۹) شعر ہین، پہلا شعر حسب ذیل ہے:۔

دیکھو اجھنا لگیا ہے یو بن نوی کلان سون بھریا ہے بالا   سرو صنوبر سمنکے پیلان پہلے مین پھولان اچھے ملا را

مثنویان | دکھنی شعراطویل مثنویان لکھنے کے عموماً عادی تھے جہان تک ہماری معلومات ہین ان کے سا

ے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دکن مین کسی غیر مسلسل نظم کے بجائے مسلسل نظم (مثنوی) کا وجود ہی پہلے ہوا ہے،

دکھنی شعرا کی اکثر مثنویان فارسی سے ترجمہ ہوئی ہین مگر ایسی مثنویان بھی لکھی گئی ہین کہ جنکو مصنف

کی دماغی اپج قرار دیا جاسکتا ہے، مثلاً وجہی کی قطب مشتری اور نصرتی کا علی نامہ وغیرہ،

شاہی کی ایک نامکمل طویل مثنوی (بدیع الجمال) کے متعلق ہم نے ایک علٰحدہ مضمون لکھا ہے، اس

کلیات مین بھی سلطان کی تین مثنویان ہین جنمین سے ایک بہتر شعر کی مثنوی خیر نامہ کے نام سے لکھی گئی ہے،

دو اور مثنویان سات سات شعر کی ہین،

خیبر نامہ مین جنگ خیبر کے حالات ہین، زیادہ تر واقعات نہایت صداقت کیساتھ نظم کئے گئے ہین،

یہ مثنوی واقعہ نگاری کا اچھا نمونہ ہے، مختصراً انتخاب پیش ہے:۔

اوّل حق کی توحید سون کر سخن   پچھین خوش ادا سون بیان کر بچن

تجے ہے سزاوار حمد و ثنا   ترے حکم سون ہے نہنا ہور بڑا

اتا ایک قصہ سنون جنگ کا   کہ وو جنگ تھا دین کے ننگ کا

اتھا ایک خیبر کا قلعہ بجل   بڑے بھر کلان پر اکل تھے اٹل

سلح ظاہری باطنی سون سنوار   عنایت کئے شاہ کون ذوالفقار

روانا ہوے جنگ کے لئے نامدار   وو شاہ ولایت ادھک کام گار

چلے شہ وہین کفر کون توڑنے   او جاسٹ پتھر کے بتان پھوڑنے

جو مرحب نے دیکھا برادر کتین   کھیا وو گیا تو لڑون گا ج مین

زرہ باندھ دوہری بندھا وو فرنگ   رکھیا دل مین جب شہ سون کرنے جنگ

لیا ہات بھالا جو تھا تیں من   شتابی سون آکر کھڑا بیچ رن

جو دیکھا نظر بھر شہنشہ کا مون   وو بولیا سخن یو ابس بوج سون

کہ سپنے مین دیکھیا ہون مین رات شیر　　کیا پھاڑ پنجے سون آپس کون زیر
وہی شیر دستا ہے مج آج یو　　غصے سون کرے گا مگر دہر کون دو
شہنشہ نے مرحب کون بگی بلک　　دو شق کرسٹے سیس بھی پا تلک

. . . .

یہودی بجتے تھے ہوے سرنگون　　غنیمت لگی ہات حد سون فزون
فتح کر قلعے کون شہنشاہ سور　　پھرے لیکہ لشکر پیمبر حضور
پیمبر خبر سنکہ خوش حال دل　　ہوئے توانگے اعلی شہ سون مل

. . . .

ترا یاد دن رات شاہی کا کاج
ترے فیض سون ہوا اُسے تخت و تاج

ایک دوسری مثنوی بھی ملاحظہ ہو:۔

سونے کی صراحی سونے کا ہی جام　　سونا گھول پیتی ہے بھر بھر مدام
چندر مکھ سکی کا ادھک پیار کا　　سونے کا ہے سیس پھول سرج سار کا
سونے کیان کلیان کرکرن مین بڑی　　سونے کی زنجیر گلے مین دھری
سینا ہے سکی کا سونے سار کا　　سونا ہور موتی گلے ھار کا
سونے کا زرنیا سونے کا ہے انگ　　سونے کا ہے ٹیکا سونے کا ہے مانگ
سودھن جب سنواری ہی پیجن کا نگ　　سونا آسرن لگ دہر یا سیس پک

کرم تج پہ شاہی کا دستا ہے آج
سونے کا انچل ادت کرتی ہے لاج

غزلیات مثنویون کے بعد غزلیات ہین جنکی تعداد (۱۸) ہے، ان کے اشعار کی تعداد پانچ سے چودہ تک ہے، اشعار کی کل تعداد (۱۳۹) ہے نمونہ ملاحظہ ہو،

سارے جہان کے پارکھی پرکھون رتن کیونکر کہو　　یاقوت ہور مرجان مین کو ہے رتن برتر کہو
بولے جہان کے پارکھی ہمنا نہ آوے بولنا　　تمنا سہاتا بولنا اے شاہ بحر و بر کہو
بولیا ہون نت مین فکر تے یو دو رتن کا فرق کر　　گر کچ اچھے انصاف تو اس بول کون خوشتر کہو
مرجان مین صافی نہین یاقوت مین صافی اچھے　　جس ذات مین صافی اچھے اس ذات کون بہتر کہو

یاقوت ہور مرجان کی شاہی لکھیا ساری غزل
سنکر جگت کے شاعران اس شعر کون افسر کہو

خوش بہانت ہو پیاری آتی انگنن مین جم جم　　نت یم مین لٹکتے دستی نین مین جسم جم
پھولی ہون ات خوشی سون ہو باغ باغ من مین　　جب ہاتھ ملا کر پھرتے چمن مین جسم جم

دردستے ہوا ہے مج کہ مین تج کل نہین دیکھا　　ہوا بے کل تیا مین کل کہ یک تل کل نہین دیکھا
تمارے حسن کی خوبی مقابل جب چندر سون ہوئی　　تدانتی مین کلینکے کون کد حسن نرمل نہین دیکھا

چل خوش سہاوے کمان کے اوپر　　کمان یدمنی سے چلا ہے الگ
مظفر علی شاہ کے ہات کا　　اچک تیر لاگیا نشان کے پلک

ابرو کمانان کھینچ کر مارے پلک کے تیر سون　　زخمی ہوا دل کا ہرن لاگیا نشان تج ہات کا

تج بال کالے دیکھ کر بادل پھرین حیران ہو　　تج بھال ہور نیلک کنے کیا چاند ہور کیا سورج ہے

ریختہ شمالی ہند مین ایک زمانہ تک اردو زبان ہی کا نام ریختہ تھا اور پھر نظم کو بھی عام طور سے ریختہ کہا جاتا تھا، بخلاف اس کے دکن مین اردو زبان کو کبھی ریختہ نہین کہا گیا اور نہ عام طور سے نظم کو ریختہ کا نام دیا گیا، البتہ ولی کے زمانہ سے نظم ریختہ کے نام سے بھی موسوم ہونے لگی ہے

یہ ریختہ ولی کا جاکر اُسے سُنا دو رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

ہمارا خیال ہے ولی نے بھی اسکو شمالی ہند کے سفر کے بعد ہی اختیار کیا ہوگا، کیونکہ دکن مین ریختہ سے مراد صرف وہ اشعار تھے جنمین مصرعے فارسی اور اردو ترکیبون سے مرکب ہوتے تھے، چنانچہ زیر تبصرہ کلیات مین ایک غزل ایسی موجود ہے اور اسکو ریختہ کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے اس غزل کے بعض اشعار ملاحظہ ہون،

دیدم نظر بھر روپ جو اس شوخ چنچل مستانہ را گفتم بیا مندر منے روشن بکن کاشانہ را

ناماں کر اس بول کون انچل جھنک دے جب چلی آختم سون بولی مجھے با من مگو افسانہ را

تس کے فراقون یون دگلزار سب انگار ہو یو دل معلم ہو مرا دیوے سبق پروانہ را

موزون متفا بولنے ہر یک کون کان طاقت اچھے اجرج کہیا شاہی غزل سننے بدل فرزانہ را

ریختی | ریختی کا موجد ہاشمی بیجاپوری متصور ہوتا ہے جو اسی علی عادل شاہ کے زمانہ مین تھا، زیر بحث کلیات مین بھی ایک غزل ایسی موجود ہے جسکو ریختی سے موسوم کرنا غیر درست نہ ہوگا، وہ اگرچہ اس کلیات مین غزلون کے تحت مین درج ہے، اگر عورتون ہی کی زبان مین ہے، یہ پوری غزل حسب ذیل ہے،

پیو سات ریچ رہنا لذت اسے کہتے ہین آپ ریچ پھر رجھانا صنعت اسے کہتے ہین

مج نین کے نگر مین لالن وطن کئے جب تب انجمن کے لوگان خلوت اسے کہتے ہین

مین جھاؤن ہو پیا سنگ لاگے رہی ہون دائم یک تل جدا نہ ہونا وصلت اسے کہتے ہین

گل ہور گلاب میانے نہین کچ فرق ازل تے یون پیو سون مل رہی ہون الفت اسے کہتے ہین

ہت جور چت بھلائے مین آپنی پیا کون عاقل جہان کے بولین حکمت اسے کہتے ہین

سوتن مین پیو مکلون جب سیج مین آپس کے بھو مان دے بلا دے عزت اسے کہتے ہین

چارون پھر پیا سنگ کئے بھانت کر دن کے سنجوگ ہو رہی ہون عشرت اسے کہتے ہین

لالن کی چاو تھی مین پوری پرد کر انجھیا ترلوک مین پیو انے شہرت اسے کہتے ہین

رون رون رسن کری مین شاہی کا ناون لینے پھر پھر دو ناون نسیا راحت اسے کہتے ہین

مخمس | غزلون کے ساتھ ایک مخمس بھی ہے، یہ نظم شاعر کے پرواز خیال اور زور بیان کی اچھی مثال ہے، ذیل مین اس کا کچھ نمونہ بھی پیش کیا جاتا ہے:-

کوئی جاؤ کھو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

دل مرا اپنے سات کیا مج برہے مین دن رات کیا

دل داری کا نا بات کیا سب بسرا اسکہ ہے ہات کیا

کئے مج سون ایسی دہات کیا

کوئی جاؤ کھو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

پیو مورت دیکھو سپنے مین جب جاگو تب رہون سپنے مین

لادیک برہا اپنے مین تن جائے جھک جھک جپنے مین

آرام اچھے مج کھپنے مین،

کوئی جاؤ کھو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

تج یاد کر تل ملتی ہون لہو تیل سنے دل تلتی ہون

تن موم بتی ہو جلتی ہون اس جلنے سون نا ٹلتی ہون

سب رین برہ مین گلتی ہون

کوئی جاؤ کھو مج ساجن سات مین نیہ بندی تون کیتا گھات

کوئی آو سنو رے میرا حال پیو کیا مج سون جو کو تال

مین جگ تے نت اٹھ انجو ڈھال کل بتی آنسو موتی مال

مج یک یک پل ہے لک لک سال

کوئی جاؤ کھوج ساجن سات
ین نیہ بندی تون کیتا گھات

مثمن | اس کلیات مین ایک مثمن بھی ہے جو حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کی مدح مین ہے، اس کے بعض شعر ملاحظہ ہون،

تس رین محفوظ ہوات شوق سون کیتے بچن   مدح مین اس ذات بابرکات کے کھولیا رسن
طبع بولیا مثمن خوش عبارت خوش وزن   حق کیا قدرت سون عالم تس مین یک روشن بدن
سو محمد ہے حسینی سید قطب دکھن   اس زمین کے کیا اچھے طالع جو کیتا ہے وطن
کمان سو یو دہرت ہورتس مین تون ہی جیون رتن   جن لقب پایا ہی اپنی پیر تے گیسو دراز

رباعی | رباعی صرف ایک ہے،

سب دیس گیا ہے دھن تے لڑتے لڑتے   کھٹ رات گئی ہے پانون پڑتے پڑتے
کیا نیکہ مدن کا اونچ لگتا ہے مجے   رہے پانون سرے پرت کے چڑتے چڑتے

راگنیان | اس کے بعد متعدد راگنیان ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ابراہیم عادل شاہ ثانی موسیقی کا ماہر تھا اور اپنی یادگار مین نورس[1] جیسی کتاب راگنیون کے متعلق چھوڑی ہے اسی طرح اس کے پوتے علی عادل شاہ کو بھی موسیقی مین کافی مہارت حاصل تھی،

سوہلا در مقام رام کلی | منجملہ متعدد راگ اور راگنیون کے ایک کا نمونہ پیش ہے،

آج راج ہے راج ہی راج ہی سائین گھر راج ہی   سکھیان سکھیان مل گاؤ سوہلا سوہلا کاج ہے
بن آیو سجنی اور ساجن سیج سیج ساجن ہے   مدن روپ نرنارن کو سر سر تاج ہے

تاریخین | دو فارسی تاریخین بھی اس کلیات مین شامل ہین، ایک شرف برج جسکا سال تعمیر سنہ ۱۰۰۵ھ ہے اور دوسری تاریخ بادشاہ محل کی ہے، جس کی تعمیر ۱۰۱۰ھ مین ہوئی تھی،

[1] نورس کے متعلق ہمارا ایک مضمون معارف جلد ۲۹ نمبر ۶ مین شائع ہو چکا ہے،

پہیلی | اس کلیات مین دو ایک پہیلی بھی مذکور ہین ناریل کی پہیلی حسب ذیل ہے،

میانے ملائی بہتر رس   آس پاس بہوت دس

سلطان علی عادل شاہ کے کلام کا نمونہ جو مختلف اصنافِ سخن مین ہے پیش ہو چکا ہے اس سے سلطان کی قوتِ بیان اور ذوقِ سخن کی تصدیق ہوتی ہے،

اسکے قصیدے جہان ادق اور مشکل بحر مین ہین، وہان آسان اور سہل بھی ہین، اس سے شاہانہ طمطراق رعب و داب کا اظہار ہوتا ہے، مثنویون سے واقعہ نویسی اور مرقع نگاری کی تصدیق ہوتی ہے، اس کی غزلین رنگین خیالی عاشقانہ مضمون آفرین تخیل کی پرواز کو ظاہر کرتی ہین، تشبیہ اور استعارہ کو بھی کام مین لایا گیا ہے، مگر وہ بھی عام فہم، اس کے عاشقانہ کلام کو اگر زمانہ مابعد بلکہ آج کل کے کلام سے ملایا جائے تو زیادہ فرق سوائے زبان کی صفائی اور تخیل کی پرواز کے اور کچھ نظر نہین آتا،

معشوق کی وہی زلفِ سیاہ، رخسارِ گلگون اور چشمِ فتان کی تعریف ہے، اس کی ترچھی نظر سے عاشق گھائل ہوتا اور تیرِ نظر سے اس کا دل مجروح ہو جاتا ہے، شراب ناب سے سیری نہین ہوتی، معشوق چاند سے زیادہ حسین، شمع سے زیادہ روشن ہے، اس کا حسن سمندر کی طرح بے پایان گیسو شام کی طرح سیاہ گال سحر کی طرح سپید ہین،

کبھی معشوق اپنے عاشق کے ساتھ جانے کے لیے بے قرار ہے، اس کو جدائی اور فراق کے زمانہ مین نیند نہین آتی، دن کو چین ملتا ہے اور نہ رات کو آرام، پیا کے سوا کوئی ساتھی نہین، دل لہو کے تیل مین تلتا اور موم کی طرح جلتا ہے، اور وہ جدائی کے صدمہ سے گھل کر دبلی ہو جاتی ہے، کوئی اس کے حال کو سننے والا نہین، اس کے آنسو موتی کے طرح نکلتے ہین، جدائی مین ایک ایک پل سال معلوم ہوتا ہے، عاشق کے بغیر دکھ بھاری اور دنیا اندھیری ہے،

اس طرح کے خیالات اور مضامین وہی ہین جو شعرائے مابعد کے کلام مین بھی نظر آتے ہین، اس سے

ظاہر ہے کہ عاشقانہ کلام مین زیادہ فرق نہین ہے،

یہ ہم کو معلوم ہے کہ سلطان نے دولت کے دامن مین آنکھ کھولی، ہوش آیا تو عیش ونشاط کا چرچا سنا اور جوان ہوا تو ساغر وجام کا دور دیکھا، اس وقت بیجاپور کی معاشرت مین سادہ زندگی، بلند نظری اور عالی دماغی کا وجود نابود ہو رہا تھا، عالی شان قصرون کی زیبایش کے لیے سونے کو پانی کی طرح کام مین لایا جا رہا تھا، ساقیانِ مہ وش اور زاہد فریب رانیان زینتِ محفل ہوتی تھین، اس لحاظ سے کلام کا رنگین خیالی اور عاشقانہ مضمون آفرینی سے مملو ہونا ناگزیر تھا،

اردو یا دکھنی شاعری کے وجود کو زیادہ عرصہ نہین ہوا تھا، عام طور سے سادگی اور صفائی عام فہمی لوازمِ سخن تھے، سلطان کا کلام بھی ان امور سے خالی نہین ہے،

بہرحال سلطان کا کلیات ایک بیش بہا خزانہ ہے، جس مین قیمتی موتی محفوظ ہین، خدا کرے یہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائے،

پٹنہ کے چند آثار

از

جناب عبدالاحد شرف الدین پوری پٹنہ

صوبہ بہار مین راجگیر ایک ایسا مقام ہے، جہان کی ایک عمارت کا نمبر دنیا کی عمارتون مین قدامت کے اعتبار سے تیسرا ہے، چنانچہ مسٹر بیٹرس نے اپنی کتاب ان دی ٹرالبس آف جوان چوانگ (۱۹۲۳) مین اور ڈاکٹر اس ڈیوڈس نے بودھسٹ انڈیا مین یہان کے قدیم شہر اور قلعہ اور اس کی پرانی فصیل کو قدامت مین نہ صرف ہندوستان، بلکہ ساری دنیا مین تیسری عمارت قرار دیا ہے، اور پتھر کی اسی سنگی دیوار و قلعہ کی عمارت کے بعض حصص آج بھی موجود ہین،

راجگیر کے بعد صوبہ بہار کا موجودہ دارالحکومت پٹنہ جو عہدِ قدیم مین پاٹلی پتر تھا، نہ صرف صوبہ بہار بلکہ ساری مملکتِ ہند کا دارالسلطنت بنا، جس کے حدودِ حکومت سرحدِ افغانستان تک وسیع تھے، چنانچہ راجہ چندر گپت کے عہد ۳۲۱ ق م سے بھی پہلے ۵۰۰ ق م مین راجا بھیم بسار کے بیٹے راجہ اجات سترو نے اول اول اپنا دارالحکومت راجگیر سے یہان منتقل کیا، اور اس کا نام پاٹلی پتر رکھا،

اس کے بعد عہدِ اسلامی مین جب شاہزادہ عظیم الشان ۱۶۹۷ء مین پاٹلی پتر آیا، اور اس نے اس شہر سے دلچسپی لی اور اسی زمانہ مین شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے اس کا نام اپنے نام پر عظیم آباد رکھا، شہر کو اپنی شرفِ قدامت سے عہدِ قدیم سے مرکزیت حاصل تھی، اس شاہزادہ عظیم الشان نے اپنی توجہ سے عہدِ اسلامی مین بھی اس کو پررونق بنا دیا، اور رفتہ رفتہ عہدِ اسلامی مین مشرقی ہند کا ایک پر عظمت اور معمور شہر بن گیا، جس کی چند نشانیان آج بھی جابجا کھڑی، عہدِ رفتہ کی یاد تازہ کرتی ہین، ذیل مین یہان کے چند آثار پیش ہین،

بیگو حجام کی مسجد

یہ مسجد سلطان علاء الدین حسین شاہ بنگالی کی یادگار ہے، اون کے حکم سے ناظر خان نے سنہ ۹۱۶ھ مین تعمیر کرائی جو مسجد کے کتبہ مین درج ہے، اس مسجد مین ایک دوسرا کتبہ بھی موجود ہے، جو بیگ محمد نے لگوایا ہے، اس مسجد کے مصلے اور فرش مین چینی کے کام کی اینٹین اور سنگ رخام کے ٹکڑے لگے ہوئے ہین، ہندوستان مین چینی کے کام کی اس طرح کی اینٹین دہلی اور گور (بنگال) کی بعض عمارتون کے سوا کہین نظر نہین آتین، اس مسجد کا شمار یہان کی نادر عمارتون مین ہی، خاجہ کلان تھانہ کے آگے سڑک کے جانب شمال چند گز کے فاصلہ پر ہے،

پتھر کی مسجد

جہانگیر کے عہد کی یادگار گزری محلہ مین مرزا معصوم کی ایک مسجد معلوم ہے، اوس کے علاوہ جہانگیر کے بیٹے پرویز شاہ کی بنائی ہوئی ایک دوسری مسجد ہے، جو پتھر کی مسجد کے نام سے موسوم ہے، بلکہ اسی نام سے وہ محلہ بھی یاد کیا جاتا ہے، کتبہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مسجد کے لئے پتھر مجھولی سے لائے گئے تھے عمارت بالکل سادہ اور نقش و نگار سے معرا ہے، پتھر بھی کچھ قیمتی نہین اس کا کتبہ مسجد کے بیرونی محراب پر کندہ ہے، جس کا پتھر بالکل سیاہ ہی، اور حوادث روزگار سے کچھ مجروح بھی ہو گیا ہے، وہ کتبہ حسب ذیل ہے،

اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

درعہد نور چشم جہانگیر بادشاہ	پرویز شاہ عادل و باذل بو تل و دائے[1]
کیخسرو زمانہ و جمشید سلطنت	بر تخت مملکت چو سکندر جہان کشائے
کرد این بنائے خاص نظر خو سکی کہت	در پیر دی شیع محمد چو گوہ پائے، (؟)

[1] بعقل و رائے ؟

مسمار ساخت قلعہ مجھولی و بت کدہ	وز سنگ و چوب بتکدہ شد این نکو بنائے
کردم سوال سال بنایش ز پیر عقل	گفتا بگو خرامی خیر المقام جائے ۱۰۳۰ھ

نواب سیف خان کی مسجد اور مدرسہ

شاہجہان کے عہد مین نواب[1] سیف خان حاکم صوبہ بہار نے سنہ ۱۰۳۸ھ مین ایک عالیشان مدرسہ اور اسی کے پہلو مین ایک طویل و عریض مسجد لب دریا تعمیر کرائی، مدرسہ کی عمارت آفات زمانہ کے نذر ہو گئی، لیکن اسکی یاد اوس محلہ سے جو آج بھی مدرسہ کے نام سے موسوم ہے، ابھی تک تازہ ہے، مدرسہ کی مسجد کی عمارت اچھی حالت مین پر فضا مقام پر موجود ہے، اس کے کتبے کے حروف بتمادی زمانہ سے مٹ گئے، صرف چکنا پتھر باقی رہ گیا ہے،

عیدگاہ

یہ عیدگاہ گلزار باغ افیون کوٹھی کے متصل ہے، اس کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی نواب سیف خان نے سنہ ۱۰۳۸ھ مین اس کو بھی تعمیر کرایا تھا،

خواجہ عنبر کی مسجد

نواب شایستہ خان کے خواجہ سرا خواجہ عنبر نے یہ مسجد سنہ [illegible] مین تعمیر کرائی، جو اس وقت اچھی حالت مین پٹنہ سیٹی کے صدر ڈاکخانہ کے سامنے موجود ہے،

دار العدل

دار العدل پر ذیل کا کتبہ ہے:-

بندہ نواب فخر الدولہ ممدوح زمان،	آن کہ در نامش حسن را باعلی باشد کران
ساخت دار العدل جا کو بنا بر حسب داد	در ہزار یک صد و چہل و دو شمر د تاریخ آن ۱۱۴۲ھ

[1] نواب سیف خان کا اصل نام مرزا صفی تھا، یہ ممتاز محل کی بڑی بہن کے شوہر تھے، اس حیثیت سے یہ شاہجہان کے ہم زلف تھے،

اس کتبہ کو خواجہ کلان تھانہ کے کانسٹبلوں نے قبر کا کتبہ سمجھکر تھانہ کے صحن میں ایک بوسیدہ قبر پر لگا دیا تھا، کچھ دنوں کے بعد وہ اوس قبر سے بھی علحدہ ہوگیا، اور پتھرون کے ڈھیر مین ایک سائبان مین پڑا ہوا تھا، اتفاقاً مولوی فصیح الدین صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ ساکن پٹنہ سٹی کی نظر اوس پر پڑی، اور اون کی کوششون سے انسپکٹر جنرل پولس نے اس کتبہ کو تھانہ کی دیوار مین لگوا دیا، جہان اس وقت موجود ہے،

داود خان قریشی کے زمانہ مین جب دار العدل بنا تو اس وقت دوسرا کتبہ اس پر لگایا گیا تھا اس سے قیاس ہوتا ہے، کہ پہلا دار العدل اسی خواجہ کلان تھانہ کے پاس تھا، یہ کتبہ بھی پہلے کتبہ کے پہلو مین دیوار مین لگا ہوا ہے، اس مین صرف یہ شعر لکھا ہے،

بہر عدل و دادِ مظلومان زدستِ ظالمان　　　ساخت دار العدل جعفر بندۂ داود خان،

مقبرہ پدر نواب سعادت خان،

محلہ دھولپورہ سے کچھ اور جانب جنوب سنگین چہار دیواری کے اندر نواب سعادت علی خان کے والد کا مزار ہے، یہ برہان الملک نواب وزیر اودھ بانی شہر فیض آباد کے دادا تھے، ۱۱۵۵ھ مین محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نواب صفدر جنگ کو علی وردی خان کی امداد مین مرہٹون سے لڑنے کیلئے عظیم آباد بھیجا، اثنائے قیام مین نواب صفدر جنگ تنہا اپنے جد مادری کے مزار کی زیارت اور فاتحہ کے لئے مقبرہ مین تشریف لائے، یہ جگہ مقبرہ پدر سعادت خان کے نام سے مشہور ہے،[۱]

مقبرہ نواب ہیبت خان،

زین الدین احمد خان احترام الدولہ بہادر ہیبت جنگ نواب علی وردی خان صوبہ دار بنگال و بہار کے بھتیجے اور داماد تھے، اپنے خسر کے بنگال جانے پر خاص بہار کے گورنر مقرر ہوئے، شمشیر خان اور سردار خان وغیرہ دربھنگہ کے پٹھان جاگیر دارون نے

[۱] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ

نواب علی وردی خان کی ملازمت ترک کرکے پٹنہ پر اچانک قبضہ کر لیا، اور نواب ہیبت جنگ کو عمارت چہل ستون مین جو مدرسہ کی مسجد کے قریب تھی، دھوکے سے قتل کر ڈالا،[۱] یہ واقعہ ۱۱۶۱ھ مین پیش آیا، صاحب سیر المتاخرین یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ

"رشید نام رشید کنارے از کمر کشیدہ بر سینہ ہیبت جنگ زد، اما چون دستش لرزان بود کارے نکرد، و محمد عسکر خان متعارف این حال فریاد کرد کہ ہان وہان این چہ نمک حرامی است درین گرمے ہیبت جنگ نظر بالا کرد و این حالت دیدہ دست بقبضہ شمشیرے کہ روبرو داشت دراز ساخت، مراد شیر خان تیغہ کہ در دست داشت کشیدہ چنان بقوت زد، کہ از شانہ ہیبت جنگ گذشتہ تا نیمی گاہ حمایل برید و ہیبت جنگ مردہ بر تکیہ مسند افتاد"[۲]۔

نواب ہیبت جنگ کی لاش میر حیدر علی کوتوال شہر کی اجازت سے سید محمد اصفہانی لائے، اور تکفین کے بعد محلہ بیگم پور مین حاجی کی زر خرید زمین مین دفن کیا،[۳]

یہ مقبرہ ریلوے اسٹیشن پٹنہ سٹی سے دکھن پچھم سو گز کے فاصلہ پر بڑی چہار دیواری کے اندر ہے، اس مین ترشے ہوئے پتھر کی خوشنما جالیان لگی ہوئی ہین،

میر اشرف کی مسجد

یہ مسجد اس لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس کے فرش کی اینٹون پر سفال کا کام ہے، مسجد کا زمانہ تعمیر ۱۱۸۷ھ ہے، اس طرح اس مسجد کی تعمیر پر ۱۶۷ سال گذر چکے، مگر فرش کے کام مین مطلقاً فرق نہین آیا ہے، چمک دمک بعینہ موجود ہے، اس مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

چون بعہد خجستہ حامی دین،　　　شاہ عالم بہادر با داد،
مسجد ہمچو کعبۂ اشرف　　　معدن فیض خوش شدہ بنیاد
یا الٰہی بہ بارش رحمت　　　کس کہ باعث شدہ بخیر معاد
بہر تاریخ گفت ہاتف غیب　　　تا جہان اشرف المساجد باد
۱۱۸۷ھ

[۱] گزٹیئر ص ۱۲، [۲] سیر المتاخرین ج ۲ صفحہ ۵۹۶، [۳] ایضاً ج ۲ صفحہ ۵۶۳،

گولکپور کی ایک مسجد

یہ مسجد محلہ گولکپور مین اچھی صورت مین موجود ہے، دیوارین سنگین اور پائدار ہین، کسی خاص نام سے یہ مسجد مشہور نہین، یہان کے باشندے اسے شیعون کی مسجد کہکر محلہ کی دوسری مسجدون سے امتیاز دیتے ہین، کیونکہ آج کل یہ اسی جماعت کے قبضہ مین ہے، مسجد کے بانی کا نام شادمان تھا، ان کے متعلق کوئی تاریخی علم حاصل نہ ہو سکا، مسجد کو تاریخی استناد یہ حاصل ہے کہ اس مین شاہ فرخ سیر تاجدار پٹنہ نے نماز ادا کی، نہین معلوم شادمان کا عہد فرخ سیر سے کس قدر پہلے ہے، فرخ سیر کے ۱۲۵ سال بعد اس مسجد کو شکستہ حال دیکھ کر ایک بزرگ ذوالفقار علی نامی نے اسے مرمت اور درست کرایا، اور بعض چیزون کا اضافہ بھی کیا، یہ حالات مسجد کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتے ہین، جو مسجد کے اندرونی در پر ایک سفید پتھر پر کندہ ہے۔[۱]

بسم اللہ الرحمن الرحیم،

این مسجد کہ باشد بانیش شادمان نام	کردہ نماز دروی فرخ سیر شہنشاہ
بوسیدہ شکستہ رفتہ بود چندے	بازش درست کردہ یک متقی ذی جاہ
بہ ذوالفقار سازی لفظ علی چو منضم	یابی تو نام پاک آن سید حق آگاہ
تاریخ چون بجستم ای شاد بہر انشا	ہاتف بگفت بامن ترمیم کعبۃ اللہ

شاہ فرخ سیر کی تاریخ پیدائش ۱۹ رجب ۱۰۹۵ھ ہے، وہ ۲۰ سال کی عمر مین صوبہ بہار آیا، اسی سال ۱۱۲۳ھ اوائل ربیع الاول مین تخت سلطنت پر پٹنہ (عظیم آباد) مین جلوہ افروز ہوا، اور اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، پٹنہ مین چار پانچ مہینے کی اقامت کے بعد جہاندار شاہ سے لڑنے کیلئے اکبرآباد روانہ ہوا، اس کے بعد پھر تاحیات شاہ فرخ سیر کے پٹنہ آنے کا پتہ نہین چلتا، اس لئے اواخر ۱۱۲۳ھ یا اوائل ۱۱۲۴ھ مین اپنے زمانہ قیام پٹنہ مین شاہ فرخ سیر نے اس مسجد مین نماز پڑھی، اس لحاظ سے اس مسجد کی تعمیر کو اگر فرخ سیری کے زمانے شمار کیا جائے، ۲۰۰ سال ہو چکے ہین،

[۱] اسی مضمون کا ایک دوسرا کتبہ مسجد کے صدر دروازہ پر بھی ہے،

اسلام اور تکمیل اخلاق.

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی.

اسلام کا یہ دعوی ہے کہ دنیا کی مختلف قومون مین جو اخلاقی اجزا ناکمل طور پر پائے جاتے تھے، اسلام نے اونکو مکمل کر دیا ہے چنانچہ خود رسول اللہ صلعم نے اپنی رسالت کا یہ مقصد بتایا ہے:-

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق.	یعنی مین اس غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہون کہ فضائل اخلاق کی تکمیل کرون،

اب ہمین غور کرنا چاہئے کہ تکمیل اخلاق کی کسقدر صورتین ممکن ہین،

(۱) تکمیل اخلاق کی ایک صورت تو یہ ہے کہ زندگی کے کسی خاص شعبے یا زندگی کے تمام شعبون مین اخلاق کی جو مقدار پائی جانی چاہئے وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین کم ہو، اس صورت مین تکمیل اخلاق کے معنی یہ ہین کہ یہ مقدار پوری کر دی جائے،

(۲) اسکے بالکل برعکس دوسری صورت یہ ہے کہ ان شعبہائے زندگی مین اخلاق کی جسقدر مقدار درکار ہے، وہ کسی قوم یا کسی مذہب مین اس سے زیادہ ہو، مثلاً دنیا کے تمام مذاہب نے یہ تعلیم دی ہے، کہ انسان کو دنیا اور دنیا کے لذائذ مین زیادہ منہمک نہین رہنا چاہئے، لیکن اسی تعلیم نے ترقی کرکے رہبانیت کی شکل اختیار کر لی، اور دنیا مین ہزارون راہب ہزارون جوگی، اور ہزارون مہنت پیدا ہو گئے، جو تجارت، ملازمت، زراعت غرض دنیا کے تمام جائز پیشون کو چھوڑ کر جنگلون اور پہاڑون مین زندگی بسر کرتے ہین اور دنیا کی تمدنی ترقیون کو نقصان پہنچاتے ہین، اب اس صورت مین تکمیل اخلاق کا مفہوم یہ ہوگا، کہ اس بڑھی ہوئی مقدار کو گھٹا دیا جائے،

فلسفہ اخلاق کی اصطلاح مین پہلی صورت کا نام تفریط اور دوسری صورت کا نام افراط ہے، جسکے معنی یہ ہین کہ اسلام نے جو نظام

اخلاق قائم کیا ہو، وہ افراط و تفریط کے درمیان ہے اور اسی درمیانی صورت کا نام فلسفۂ اخلاق کی اصطلاح مین اعتدال اور شریعت کی اصطلاح مین صراطِ مستقیم ہے،

(۳) تکمیلِ اخلاق کی ایک صورت یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبون مین جن فضائلِ اخلاق کی ضرورت ہے، اون مین بعض شعبے اپنے مناسب اخلاقی اجزا سے خالی ہون مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ متاہلانہ زندگی بسر نہین کی، اسلئے اون کے قائم کردہ نظامِ اخلاق سے یہ معلوم نہین ہو سکتا کہ خانگی زندگی مین انسان کو کن فضائلِ اخلاق کی ضرورت ہے،

اسی طرح جوگیون اور راہبون کی بے تعلق زندگی معاشرتی نظامِ اخلاق کے اجزا سے خالی ہوتی ہے، اور اس صورت مین تکمیلِ اخلاق کے معنی یہ ہین کہ زندگی کے تمام شعبون کی مناسب تقسیم کیجائے اور ہر شعبے کو اس کے مناسب اخلاق کا حصہ دیا جائے،

اسلام نے ان تینون طریقون سے نظامِ اخلاق کی تکمیل کی ہے، جسکی تفصیل سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام کا اخلاقی نظریہ کیا ہے؟ اور اوس نے کون سی اخلاقی تھیوری قائم کی ہے؟

اس وقت تک جو اخلاقی نظریے قائم ہوئے ہین اون مین سے

(۱) ایک نظریہ یہ ہے کہ کسی فعل کی برائی اور بھلائی کوئی عقلی اور روحانی چیز نہین ہے، بلکہ اوسکا دار و مدار صرف قانونِ سلطنت پر ہے یعنی بادشاہ جس فعل کو ممنوع قرار دیدے، وہ بداخلاقی کی فہرست مین شامل ہے اور جسکو جائز رکھے وہ خوش اخلاقی کے سلسلے مین داخل ہے، اس نظریہ کے رو سے گویا اخلاق اور قانون ایک ہی چیز ہین لیکن اسلام اس نظریہ کی تائید نہین کر سکتا، کیونکہ اس سے شراب کی تجارت یا طوائفون کا پیشہ جسکی موجودہ سلطنتون نے اجازت دی ہے جائز ہو جاتا ہے،

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ افعال کے حسن و قبح کا معیار ایک خاص طرح کی موزونیت و مناسبت ہے، جو عقل کو اون کے مختلف حصون کے درمیان معلوم ہوتی ہے، مثلاً کوئی وعدہ کرنا اور پھر اوسے پورا کرنا، ان دونون افعال کے درمیان بداہتہً ایک طرح کی موزونیت یا مناسبت پائی جاتی ہے، اسلام اس نظریہ کا نہ موافق ہے نہ مخالف،

(۳) تیسرا نظریہ یہ ہے کہ ہر نیک کردار کا لازمی نتیجہ حصولِ مسرت ہے، اسلئے جو لوگ بداخلاقی مین مبتلا ہوتے ہین، اون کو اس کا علم نہین ہوتا کہ اونھین بجائے مسرت کے رنج و غم حاصل ہوگا، اس لحاظ سے نیک کرداری کا معیار مقدارِ علم ٹھہرتی ہے یعنی جس قدر کسی

شخص کا علم ناقص یا کامل ہوگا، اسی نسبت سے وہ نیک کردار یا بدکردار ہوگا، قرآن شریف کی ایک آیت مین ہے کہ خدا سے صرف وہ بندے ڈرتے ہین جو علم رکھتے ہین اس لئے اگر اس آیت کے مفہوم کو زیادہ وسیع کیا جائے تو اسلام اس نظریہ کا موید ہے،

(۴) چوتھا نظریہ یہ ہے کہ اخلاق کی بنیاد تمامتر خود غرضی پر ہے یعنی جب لوگون نے دیکھا کہ بعض افعال سے اوس کے کرنیوالے کو نقصان پہنچتا ہے، تو اون افعال سے بچنے کیلئے اونھون نے ان کو بداخلاقیون کا لقب دیا، اور اون کے مقابل افعال کو اعمالِ حسنہ قرار دیا، اسلامی نظامِ اخلاق کا نتیجہ بھی یہی ہے لیکن وہ تمامتر خود غرضی کی تعلیم نہین دیتا، بلکہ فضائلِ اخلاق کو نجاتِ اخروی کا ایک ذریعہ قرار دیتا ہے،

(۵) پانچوان نظریہ یہ ہے کہ افادہ یا سودمندی اصل معیارِ اخلاق ہے، جو افعال خود فاعل و نیز عام جماعت کے حق مین مفید ہوتے ہین، وہ اخلاقاً بھی محمود و مستحسن ہین، اور جن سے اس کے برعکس نتائج پیدا ہوتے ہین وہ قبیح و مذموم ہین، یہ نظریہ بھی اوسی فلسفۂ خود غرضی کی ایک مہذب شکل ہے، اور اسلامی نظامِ اخلاق کے نتائج سے قریب تر ہے،

(۶) چھٹا نظریہ یہ ہے کہ صرف وہ افعال نیک و محمود ہین، جو عملاً تمام دنیا مین عالمگیر ہو سکتے ہین، چوری، قتل، دروغگوئی، بدعہدی اس بنا پر معیوب ہین کہ یہ عالمگیر ہو ہی نہین سکتے، اور اگر انھین عالمگیر کیا جائے، تو موجودہ نظامِ عالم دفعتہً درہم برہم ہو جائے، یہ نظریہ جرمنی کے مشہور فلاسفر کینٹ کا ہے، اور عملی طور پر اسلام کا نظامِ اخلاق بالکل اسکے مطابق ہے، کیونکہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اسلئے اس نے اپنے نظامِ اخلاق مین وہی اجزا شامل کئے ہین، جو عالمگیر ہونیکی صلاحیت رکھتے ہین، اور دنیا کی تمام قومین اونکی پابند ہو سکتی ہین، باقی خاص خاص ملکون یا خاص خاص قومون، یا خاص خاص شہرون کے مخصوص اخلاق اگر سوسائٹی کیلئے مضر نہین ہین، تو اسلام اونکو ناجائز نہین قرار دیتا، لیکن درحقیقت وہ اسلامی نظامِ اخلاق کے حقیقی اجزا نہین ہین، بلکہ بیرونی چیزین ہین،

(۷) ساتوان نظریہ یہ ہے کہ نیکی کا اصل الاصول افراط و تفریط سے بچ کر قوائے فطریہ کا اعتدال کیساتھ استعمال کرنا ہے مثلاً اگر ہم اعتدال کے ساتھ روپیہ صرف کرین تو وہ سخاوت ہے، اور اگر افراط یا تفریط سے کام لین تو یہ اسراف یا بخل ہے، اور دونون یکسان طور پر معیوب ہین، یہ ارسطو کی تھیوری ہے، اور اسلام بھی اسکی تائید کرتا ہے، چنانچہ قرآن مجید مین مسلمانون کا اخلاقی وصف یہ بتایا گیا ہے،

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔	[illegible]	یعنی خدا کے بندے وہ ہین جو خرچ کرتے ہین تو فضول خرچی نہین کرتے اور تنگی کرتے، بلکہ انکا خرچ افراط اور تفریط کے

(۸) آٹھوان نظریہ یہ ہے کہ خود انسانی فطرت مین ایک حاسۂ اخلاقی یا ضمیر موجود ہے، جس کا کام یہ ہے کہ وہ افعال کی برائی یا بھلائی کو بتلاتا رہتا ہے، اور اس فیصلہ مین عقل واستدلال کو دخل نہین ہوتا، اس نظریہ کے روسے افعال کی برائی یا بھلائی ایک روحانی اور وجدانی چیز ہے، اور اسی لحاظ سے حکمارہین جو لوگ روحانی طریقہ پر فلسفیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اونھون نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے، اور ہمارے صوفیۂ کرام کا میلان بھی اسی طرف پایا جاتا ہے، اور اسلام کا حقیقی اخلاقی نظریہ یہی ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

لا اقسم بیوم القیامة ولا اقسم بالنفس اللوامه،

یعنی مین قسم کھاتا ہون روز قیامت کی، اور قسم کھاتا ہون انسان کے اس روح کی جو بُرے کامون پر اسکو ملامت کرتی ہے،

یہی نفس لوامہ ہے، جس کو آپ کانشنس یا ضمیر بھی کہہ سکتے ہین،

اس کے چند آیتون کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القی معاذیره.

خود انسان اپنے نفس کی خبر رکھتا ہے، گو وہ اپنی تئین بے گناہ ثابت کرنے کیلئے کتنے ہی حیلے کیا کرے،

انسان ایک جرم کرتا ہے، اور اس حالت مین اگر اس کا ضمیر مردہ نہین ہو گیا ہے، تو اس کا نفس لوامہ اوس کو ملامت کرتا ہے، اب وہ حیلے تراشتا ہے، کہ مین نے اگرچہ رشوت لی ہے، لیکن اس مین معذور ہون، کیونکہ میری تنخواہ میری ضروریات کے لئے کافی نہین، عملاً یہ حیلہ اوس کی تسکین کے لئے کافی ہے، لیکن بایں ہمہ اوس کا ضمیر مطمئن نہین ہوتا، اور وہ بتاتا ہے کہ رشوت خواری ایک اخلاقی بلکہ قانونی جرم ہے، حدیث سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے نیکی اور بدی کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا،

البر حسن الخلق والاثم ما حاك فی صدرك وكرهت ان یطلع علیه الناس.

یعنی نیکی حسن خلق یعنی کیرکٹر کے تناسب اور موزونیت کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل مین کھٹکے اور تم اوسکو پسند نہ کرو کہ لوگ اوسکو جانین یعنی تم اوسکے اخفاء

یہان تک تو فلسفہ مذہب اسلام کا ساتھ دیتا ہے، یا یون کہئے کہ اسلام فلسفہ کی تائید کرتا ہے، لیکن اسلام کا قدم اب اس سے آگے بڑھتا ہے، اور ایک دوسرے ضمیر کی طاقت سے نظام اخلاق کو مستحکم کرتا ہے یعنی یہ کہ اگر بالفرض کسی شخص کا ضمیر مردہ ہو جائے، اور وہ برائی بھلائی کی تمیز نہ کر سکے، تو دوسرون کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ اس اندھیرے مین اوس کو اپنے ضمیر کا چراغ دکھلا کر اوس کو بُرے کامون سے روکین، شریعت کی اصطلاح مین اسی کا نام احتساب ہے، اور پولیس کا پورا محکمہ اسی اصول پر قائم ہے، چنانچہ حدیث شریف مین آیا ہے،

من رای منكم منكرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان.

یعنی تم مین سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اوس کو اپنے ہاتھ سے مٹادے، لیکن اگر اوس مین ہاتھ سے مٹانے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے مٹائے یعنی اوسکو نصیحت کرے کہ وہ اس کام سے باز آئے اگر زبان سے مٹانے کی طاقت بھی نہ ہو تو اوسکو دل سے مٹائے یعنی دل سے اسکو برا سمجھے لیکن محض دل سے برا سمجھنا

لیکن نظام اخلاق کے قائم رکھنے کیلئے صرف یہی کافی نہین، انسان بہت سے مواقع پر اخلاقی جرائم کرتا ہے، اور وہان کوئی روک ٹوک کرنے والا نہین ہوتا، اس لئے ایک اور اعلیٰ تر ضمیر کی ضرورت ہوتی ہے، جو قوم مین ایک ایسی اخلاقی روح پیدا کر دے، جو خود تمام برائیون سے روک دے، اسی اعلیٰ ترین ضمیر کا نام پیغمبر ہے، اور جب تمام قوم گمراہی مین مبتلا ہو جاتی ہے، اور کسیکو کوئی برا بھلا کہنے والا نہین رہتا، تو پیغمبر جو سراپا روح، سراپا ضمیر اور سراپا ایمان ہوتا ہے، اٹھتا ہے، اور اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرات مین مبتلا کر کے پوری قوم کو برائیون سے روکتا ہے، دنیا کے تمام پیغمبر اسی قسم کا قومی ضمیر تھے، لیکن اس قسم کا سب سے بڑا ضمیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قالب مین نمودار ہوا، جس نے اور پیغمبرون کی طرح صرف ایک قوم اور ایک ملک کی گمراہی دور نہین کی، بلکہ تمام دنیا کو اپنے ضمیر کی روشنی سے گمراہیون کے تیرہ و تار غار سے نکالا، اب نظام اخلاق کے لئے بدیہی طور پر تین ضمیرون کی ضرورت ثابت ہو گئی، ایک ہر شخص کا ذاتی ضمیر، دوسرا قومی ضمیر، تیسرا پیغمبر کا ضمیر، لیکن یہ تینون ضمیر اسی زمین اور اسی دنیا مین رہتے ہین، اور بہ ترتیب اپنا اپنا اخلاقی فرض ادا کرتے ہین، لیکن اس عالم سے اوپر اسلام چند اور ضمیرون کی ترتیب دیتا ہے، چنانچہ حدیث شریف مین

آیا ہے کہ خداوند تعالی جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو جبرئیل کو بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے محبت کرتا ہون، تم بھی اوس سے محبت کرو، تو اب جبرئیل بھی اوس کی محبت کرنے لگتے ہین، پھر وہ آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خداوند تعالی فلان شخص کو محبوب رکھتا ہے، تم بھی اوس کو محبوب رکھو، تو اب آسمانون کے فرشتے بھی اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، پھر اوس شخص کو دنیا مین حسن قبول حاصل ہوجاتا ہے، اس کے برعکس جب خدا کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبرئیل سے بلا کر کہتا ہے، کہ مین فلان شخص سے بغض رکھتا ہون، تم بھی اوس سے بغض رکھو، تو اب جبرئیل بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر آسمانون کے اندر پکار کر کہتے ہین کہ خدا فلان شخص سے بغض رکھتا ہے، تم بھی اوس سے بغض رکھو تو آسمانون کے فرشتے بھی اوس سے بغض رکھنے لگتے ہین، پھر تمام دنیا کے لوگ اس سے بغض رکھنے لگتے ہین،

یہ فرشتون کا ایک مرتب گروہ ہے، جس کا کام یہ ہے، کہ جو لوگ اپنی اخلاقی اصلاح کرتے ہین اور لوگون کو اخلاقی اصلاح پر آمادہ کرتے ہین، وہ اون کو شب و روز دعائین دیتا رہتا ہے، اور اس دعا کی وجہ سے اون پر برکتین نازل ہوتی رہتی ہین، لیکن جو لوگ دنیا مین فتنہ و فساد پھیلاتے ہین، وہ ان پر لعنت بھیجتا ہے، اور اوس کی لعنت اون کے لئے حسرت و ندامت کا سبب بن جاتی ہے، یہ گروہ خدا اور خدا کے بندون کے درمیان سفارت کا کام کرتا ہے، اور انسانون کے دلون مین الہامی طریقے پر نیکی کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اس گروہ کو شریعت کی اصطلاح مین، رفیق اعلی، ندی اعلی یا ملاء اعلی کہتے ہین،

ان فرشتون کو تمام دنیا سے وہی نسبت ہے، جو ہمارے دماغ کو ہم سے ہے، ہم ایک جلتے ہوے پتھر پر پاؤن رکھتے ہین، تو سوزش کا اثر اعصاب کے ذریعہ سے ہمارے دماغ تک پہنچتا ہے، اور ہم بے قرار ہوجاتے ہین، اسی طرح خداوند تعالی نے نوع انسان کی اصلاح کے لئے فرشتون کا ایک ذکی الحس گروہ متعین کردیا ہے، کہ جب کوئی شخص کوئی نیک کام کرتا ہے، تو اون کو مسرت محسوس ہوتی ہے، اور اس مسرت کا اثر خود اوس شخص پر اور نیز تمام لوگون پر پڑتا ہے، اور وہ اوس کو محبوب رکھنے لگتے ہین، اور جب کوئی شخص برائی کرتا ہے، تو یہ فرشتے اوس سے نفرت کرنے لگتے ہین، اور اوس نفرت کا اثر اوس شخص پر اور نیز تمام دنیا پر پڑتا ہے، اس لئے

اوس شخص کو خود اپنی ذات سے نفرت پیدا ہوتی ہے، اور تمام لوگ بھی اوس سے نفرت کرنے لگتے ہین، افلاطون بھی ہر نوع کے لئے فرشتون کا ایک گروہ تسلیم کرتا ہے، جس کو رب الانواع کہتے ہین، غالباً ان رب الانواع سے اس کی مراد یہی فرشتے ہین،

لیکن ان تمام ضمیرون سے اعلی تر ایک اور ضمیر بھی ہے، یعنی خود خداوند تعالی کو برائیون اور گناہون سے اس قدر نفرت ہے، کہ وہ اون کو کسی حالت مین برداشت ہی نہین کرسکتا، اسی طرح اچھے کام کرنے سے جو مدح و ستایش حاصل ہوتی ہے، اوس کا بھوکا بھی خدا سے زیادہ کوئی نہین، چنانچہ ایک حدیث مین آیا ہے :-

مامن احد اغیر من اللہ من اجل ذالک حرم الفواحش. وما احد احب الیہ المدح من اللہ.	یعنی کوئی شخص خدا سے زیادہ غیرت مند نہین، اور اسی غیرت کی وجہ سے اوس نے بدکاریون کو حرام کردیا ہے، نیز کسی کو خدا سے زیادہ تعریف بھی محبوب نہین.

ضمیر و ملکیہ مرتب سلسلہ زیادہ تر شخصی کام کرتا ہے، یعنی جب دنیا مین کوئی شخص برا یا بھلا کام کرتا ہے، تو وہ اسکو محسوس کرتا ہے، اور محسوس کرنے کے بعد اپنے اخلاقی فرائض انجام دیتا ہے، لیکن مجموعی طور پر تمام دنیا کے اخلاقی جائزہ لینے کے لئے ایک اور عام اور کلی ضمیر کی ضرورت ہے، جو بیک وقت تمام برے اعمال کی سزا اور تمام اچھے اعمال کی جزا دے، اسی عام اور کلی ضمیر کا نام قیامت ہے، جو بیک وقت ہر شخص کے اعمال کا جائزہ لے گی اور اس حیثیت سے قیامت کو ایک ایسے پیغمبر سے مشابہت حاصل ہے، جو اپنی عالمگیر رسالت کی وجہ سے قیامت ہی کی طرح تمام دنیا کا آخری ضمیر ہو، اور ایسا پیغمبر محمد رسول اللہ صلعم کے سوا آج تک دنیا مین مبعوث نہین ہوا، یہی وجہ ہے، کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، کہ مجھ مین اور قیامت مین اس قدر قربت حاصل ہے، جس قدر ہاتھ کی انگلیون مین اتصال ہوتا ہے، یعنی آپ دنیا کے سب سے آخری ملامت کرنیوالے ہین، انکے بعد دنیا کی ملامت کیلئے کوئی دوسرا اخلاقی ضمیر قیامت کے سوا پیدا نہ ہوگا، اسی مناسبت سے خداوند تعالی نے سورہ قیامہ مین قیامت کے ساتھ نفس لوامہ کی بھی قسم کھائی ہے، کیونکہ قیامت اور نفس لوامہ کے

ایک ساتھ ذکر کرنے سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان دونون کے درمیان کوئی نسبت یا لگاؤ ہے، کیونکہ قیامت نفس کلی کی ملامت کرنے والی ہے، اس لئے کہ تمام دنیا ایک شخص واحد ہے، اور اوسکی رفتار ایک شخص کے حالات کی طرح یکسان طور پر پائی جاتی ہے، اس لئے جس طرح ہر انسان مین ایک نفس لوامہ ہے، جو اس کے گذشتہ اعمال پر ملامت کرتی ہے، اسی طرح تمام دنیا کیلئے بھی ایک نفس لوامہ ہونا چاہئے، جو دنیا کے تمام اعمال پر ملامت کرے،

اس تفصیل سے دو باتین نہایت بدیہی طور پر ثابت ہوئین،

(۱) ایک تو یہ کہ اگر آپ کو کوئی روحانی نظام اخلاق قائم کرنا ہو تو اوس کے لئے مذہب کے پورے سلسلے کو ماننا پڑیگا، اور خدا، فرشتے، پیغمبر، قیامت سب کے سب اوس کے لازمی جزو قرار پائین گے، الحاد اور بے دینی درحقیقت ایک سلبی نظام ہے، بلکہ درحقیقت وہ کوئی نظام ہی نہین، دنیا مین صرف مذہب نے نظام اخلاق کو قائم کیا ہے، اور اوسی نے نظام اخلاق کو قائم رکھا ہے، آج تک اخلاق کی اصلاح الحاد اور بیدینی سے نہین ہوئی ہے، بلکہ ہمیشہ مذہب سے ہوئی ہے،

(۲) دوسرے یہ کہ مختلف فلاسفرون کے یہان جو اخلاقی نظریے منتشر طور پر پائے جاتے ہین، اسلام نے ان مین تمام قابل قبول نظریون کو جمع کر لیا ہے، اس لئے یہ بھی نظام اخلاق کا ایک تکمیلی پہلو ہے، جس کا اسلام نہایت بلند آہنگی کے ساتھ مدعی ہے،

تابش سہیل

مولینا اقبال احمد خان صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی (علیگ) کے اردو اور فارسی کلام کا دیوان بے شیرازہ" مرتب کیا جا رہا ہے، اس مجموعہ کے ساتھ ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم اے پی ایچ ڈی (علیگ) شیخ الجامعہ دہلی کا مقدمہ اور مولینا کے سراپا، سیرت اور سوانح پر جناب رشید احمد صدیقی ایم اے (علیگ) پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا ایک مضمون بھی ہوگا،

مولینا کے تمام دوستون سے درخواست ہے، کہ اگر اون کے پاس مولینا کی کوئی نظم موجود ہو، تو براہ کرم ذیل کے پتہ پر بھیجدین،

نیاز احمد صدیقی ایم اے (علیگ) شبلی منزل اعظمگڈھ

تلخیص و تبصرہ

وسط ایشیا مین اہم انکشافات،

ڈاکٹر سیڈن (Hedin) ۱۸۹۲ء سے تقریباً نصف صدی سے وسط ایشیا کے ریگستانون مین ان مقامات کی تلاش و تحقیق مین مصروف ہین جن سے اب تک تاریخ و جغرافیہ کے صفحات خالی تھے، اس سلسلہ مین حال کے نہایت اہم اکتشافات کا ذکر اونھون نے نیویارک ٹائمز کے ایک مقالہ مین کیا ہے، جو بمبئی کرانکل (ہفتہ وار) مین آیا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے،

سائنس کا خیال ہے کہ انسان عہد قدیم کی تاریکی سے اول اول وسط ایشیا کے کسی حصہ مین نمودار ہوا، اور وہان سے نکلکر اس کی اولاد مختلف نسلون اور قومون کی شکل مین تمام دنیا مین پھیل گئی، تعجب ہے کہ اُن مقامات سے جو بنی آدم کے آبائی مسکن ہے انتہائی فاصلہ پر واقع ہین، حتی کہ قطبین کے حالات سے بھی آج ہم اُس سرزمین کی بہ نسبت زیادہ واقف ہین، جو نسل انسانی کا گہوارہ اور حیات انسانی کا سرچشمہ ہے، جس سرزمین پر ہماری زندگی کی ابتدا ہوئی اس کی جگہ نقشہ مین ہنوز خالی ہے،

حال مین یعنی اس پشت کے اندر ہی ہم نے وسط ایشیا مین جا کر ان نشانات کا پتہ لگانا چاہا جن سے نوع انسانی کی تاریخ کے ابتدائی ابواب مدون کئے جا سکین، وہان زمانہ قبل تاریخ کے حالات معلوم کرنے کی کوشش مین ہم کو ایک دوسرے راز سے واقفیت ہوئی جو نسبتہً بہت بعد کا ہے، تاہم ہماری مغربی تہذیب سے زیادہ قدیم ہے، یعنی اہل چین اور اون کے وحشی ہمسایون کے ابتدائی حالات، چنانچہ وہان ہم زمانہ قبل تاریخ کے ساتھ ہی عہد تاریخ کے ابتدائی دور کا بھی سراغ لگا رہے ہین، اور یہ کہنا مشکل ہو کہ اُن مین سے کون زیادہ دلچسپ ہے،

مین نے تقریباً نصف صدی مشرق بعید مین تلاش و تحقیق مین صرف کر دی ہے، اور ۱۹۲۶ء سے اس عظیم الشان وفد

کی قیادت کر رہا ہون، جو ایشیا کے نامعلوم حصون کی دریافت پر مامور کیا گیا ہے، ہماری تفتیش و جستجو نے پانچ سال کے ان پردون کو بہت کچھ اٹھا دیا ہے، جن سے اس بر اعظم کا اندرونی حصہ چھپا ہوا تھا، جو کچھ ہم نے ابتک معلوم کیا ہے، وہ کئی جلدون کو پر کرنے کے لئے کافی ہے، تاہم ابھی اس سے بہت زیادہ وہ معلوم کرنا ہے، یہ خطہ جو ابتک غفلت اور بے توجہی کا شکار رہا معلومات کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے، جس سے تحقیق کرنے والے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہین، ہم نے تو مشکل ابھی اس معدن کی سطح صاف کی ہے،

مشرقی نصف کرہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ چین کے شمال مغرب مین صحرائے گوبی واقع ہے، اور اس کے مغرب مین ترکستان کے ریگستان مین، یہ سلسلہ مغرب کی جانب بڑھتا ہوا فارس، فلسطین، عرب، اور سینا سے گذر کر ریگستان لیبیا اور صحرائے افریقہ سے مل گیا ہے، بحر الکاہل سے بحر اوقیانوس تک ایک منطقہ حارہ تمام دنیائے قدیم سے گذرتا ہوا چلا گیا ہے، ہمارا وفد جو کئی جماعتون مین تقسیم ہو گیا ہے، ۱۹۲۲ء سے اس منطقہ کے سب سے کم معلوم حصہ کی دریافت و تحقیق مین مصروف ہے، یعنی وہ حصہ جو تبت کے شمال اور سائبریا کے جنوب مین واقع ہے، ہم نے کچھ کام منگولیا کے اندرونی حصہ مین کیا ہے، کچھ چینی ترکستان مین اور کچھ شمالی تبت مین،

ہمارا قافلہ پہلے صحرائے گوبی کی طرف روانہ ہوا، یہ سفر اُن سفرون کی پہلی کڑی تھا جن کا سلسلہ پانچ سال تک قائم رہا، مہینون ہم چٹیل میدانون مین دشت پیمائی کرتے رہے، لیکن تقریباً ہر میل پر ہمین ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہزارون سال قبل جب تاریخ کی ابتدا بھی نہین ہوئی تھی، یہان انسانون کی آبادی تھی، اور لوگ اس راستہ سے آمد و رفت رکھتے تھے، یہ زمین اگرچہ سنگلاخ اور بے آب و گیاہ ہے، تاہم یہی وسط ایشیا سے گذرنے کا راستہ ہین،

جس ریگستان مین ہمارے خیمے نصب تھے، اسی مین چین کے تاجر بھی حضرت سلیمان ؑ کے زمانہ مین اپنے خیمے نصب کرتے تھے، اسی مقام سے سنہ عیسوی سے قبل قدیم ریشم کی سڑک گذرتی تھی، جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے پرانی سڑک تھی، اور قافلے مغرب کی جانب سال سال بھر کے سفر پر چین سے تاتار اور زیڈن کے لئے روانہ ہوتے تھے، جہان سے اُن کا قیمتی ریشمی سامان جہازون کے ذریعے روم جاتا تھا، یہ ریشم کی سڑک آج ریگ کے تودون مین دفن ہے، تاہم بے شمار علامتون سے اس کے وجود کا پتہ لگتا ہے، اس سڑک کے کنارے کنارے قلعہ بند شہرون کا سلسلہ تھا، جن کے سپاہی تاجرون کی حفاظت شمال کی قوم ہن کے حملون سے کرتے رہتے تھے، ہمین ان قدیم قلعون کی دیوارین ملتی ہین اور ریت کھودنے کے بعد ان دیوارون کی جڑ مین دو ہزار قبل کے مخطوطات ملتے ہین چنانچہ

صحرائے گوبی مین ایک مقام پر جہان پہلے کوئی شہر آباد تھا، ایک شکستہ مینار کے نیچے ہم نے ایسی ہزارون یادگارین پائین، ایک فٹ لمبی پتلی پتلی تختیان جو ایک ہرکارہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک آسانی سے لیجا سکتا تھا، چمڑے کے تسمون سے بنڈلون مین بندھی ہوئی تھین، ان بنڈلون کی گرہون مین بیس صدیان گذر چکی تھین، ریگستان کی خشکی نے ان چینی حروف کو ابتک محفوظ رکھا تھا، جو تختیون پر لکھے ہوئے تھے، ہمارے اسٹاف کے ارکان نے جو چینی زبان، تاریخ اور رسوم وغیرہ سے واقفیت رکھتے ہین، زمانہ قدیم کے ان پیغامات مین سے بعض کا ترجمہ کیا ہے، چنانچہ ان مین سے کسی بنڈل پر اسلحون اور پوشاک کی رسید لکھی ہوئی ہے، کسی پر ایک نوجوان سپاہی کے فوج مین داخل کرنے کے احکام اور اس کا نام، عمر، وطن اور پیشہ درج ہے، ایک پر یہ حکم لکھا ہوا ہے، "تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ آج شب مین تین سو تیر انداز شہر کے نوین پھاٹک کی حفاظت کے لئے تیار رکھو" آج یہ شہر صدیون کی تباہی اور بربادی کے بعد تقریباً نابود ہو گیا ہے، لیکن کسی زمانہ مین ضرور ایک اہم شہر رہا ہوگا، کیونکہ اس حکم سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مین کم سے کم نو پھاٹک تھے، دوسرے پر یہ درج ہے "تمکو اطلاع دیجاتی ہے کہ شہزادہ لو عنقریب تمھارے صدر مقام پر پہونچین گے، ان کے ساتھ پچیس[25] سوار ہون گے، تمھارے ذمہ ان کی اور ان کے ساتھیون کی خوراک اور قیام کا انتظام ہے" ان تختیون سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ خشک اور ویران مقام حضرت مسیح سے دو سو برس پہلے ایک مرتب اور آباد شہر تھا، تختیون کے علاوہ اور بھی سیکڑون چیزین ہم نے قدیم ریشم کی سڑک کے کنارے ریگستان سے کھود کر نکالی ہین، اس سڑک پر کبھی بڑے بڑے تجارتی قافلے چین سے کاشغر، نیشاپور اور شام کو جایا کرتے تھے،

اسی خطے سے ہو کر قدیم چینی زائرین پامیر اور ہندوستان کا سفر کرتے تھے، انھی مین فاضل ہیان سانگ مشہور چینی سیاح (تقریباً ۶۴۰ء) بھی تھا، اسی راستہ سے تقریباً ۱۲۷۵ء مین مارکوپولو بھی قبلائی خان کے دربار مین قسمت آزمائی کرنے گیا تھا، اس کی یاد کے احترام مین ہم نے اپنے لشکر کی سڑک کا نام "مارکوپولو سڑک" رکھا تھا، مارکوپولو سے پیشتر اہل چین مغرب کے متعلق بہت کچھ واقفیت رکھتے تھے، لیکن مغرب کو چین کے متعلق براہ راست کچھ بھی واقفیت نہ تھی،

اس ریگستان کی ہوائین اتنی تیز ہین کہ آدمی بمشکل اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا رہ سکتا ہے، ریگستانی طوفان سیاہ دیوارون کی طرح آسمان مین اُٹھتے ہین، اور روشن دن کو تاریک رات بنا دیتے ہین، بہت کم خیمے، ان طوفانون مین قائم رہ سکتے ہین،

معمولی دنوں میں بھی ہواؤں کا شور الیسا رہتا ہے کہ سننے والوں کو بعض اوقات انسانی آواز کا دھوکہ ہو جاتا ہے، مارکوپولو کا بیان ہے کہ جو لوگ ان ریگستانوں میں گم ہو جاتے تھے اونھیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ساتھی ان کا نام لے کر پکار رہے ہیں، ہم کو بھی کئی بار اس کا تجربہ ہوا ہے،

وسط ایشیا ماہر اثریات اور مورخ کے لئے ایک باغ ارم ہے یہاں ان فوجی دیواروں کا بھی پتہ لگتا ہے جن کا کوئی نشان نقشہ میں نہیں تھا، یہ دیواریں موجودہ دیوار چین کے سیکڑوں میل آگے، شمال کی جانب چلی گئی ہیں، اور اس سے سیکڑوں برس زیادہ قدیم ہیں، یہاں تفتیش کرنے والا خارا خوتو (Khara Khoto) اور لولان (Loulan) جیسے فراموش شدہ شہروں کی ویران سڑکوں پر چل سکتا ہے، جس کا نام معلوم کرنے کیلئے بھی اس کو ہزاروں برس پیشتر کے چینی نقشوں کا مطالعہ کرنا پڑے گا، لولان کی دریافت ہمارے اکتشافات میں نہایت درجہ اہم اور حیرت انگیز ہے،

دو ہزار سال قبل کے چینی نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لولان دریائے تارم کے دہانہ کے قریب واقع تھا، مشرقی ترکستان کا یہ خاص دریا جھیل لوپ نور میں گرتا تھا، یہ شہر اس جھیل سے اس قدر نزدیک واقع تھا کہ جھیل کا دوسرا نام ہی بحر لولان (Lou lan ke) پڑ گیا، اس زمانہ میں یہ شہر بہت آباد اور خوشحال تھا اور چین اور کاشغر کے درمیان ریشم کی سڑک پر ایک اہم مقام تھا، صدیوں لوپ نور چینی جغرافیہ دانوں کے علاوہ اور تمام جغرافیہ دانوں کی نظر سے پوشیدہ رہی،

سنہ ۱۹۰۱ء میں میں نے شہر لولان کے کھنڈر دریافت کئے، کھدائی کے بعد وہاں لکڑی اور کاغذ پر ایسے مخطوطات دستیاب ہوئے جن سے اس امر میں شبہہ باقی نہ رہا، کہ یہ شہر لولان تھا، اور سنہ ۲۶۰ء میں یہ ایک آباد اور خوشحال شہر تھا، لیکن بحر لولان اب ساٹھ یا اسی میل کے فاصلہ پر تھا، ایک بڑا معمہ تھا، مجھے اس بات کا کافی ثبوت ملا کہ ایک وسیع جھیل جو ممکن ہے ۱۵۰ میل چوڑی رہی ہو، ایک زمانہ میں شہر کی دیواروں کے پاس ہی واقع تھی، یہ جھیل اب خشک ریگستان تھی، اسی سے ملی ہوئی پانچسو فٹ چوڑی ایک دریا کی تہ بھی تھی، یہ بھی بالکل خشک تھی،

میں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ قدیم نقشے درست تھے، لوپ نور ایک رواں جھیل تھی، اور سنہ ۱۹۲۱ء کے بعد اس نے اپنا مقام

تبدیل کر دیا تھا، میرے نزدیک یہ بات واضح تھی کہ دریائے تارم کی قدیم تہ جو چوڑی اور چھچھلی تھی، مٹی نباتات اور ریت سے بھر گئی تھی، اور تارم نے ایک دوسرا راستہ اختیار کر کے ایک دوسری جھیل بنالی تھی جسکی وجہ سے لولان کی قدیم جھیل خشک ہو کر غائب ہو گئی،

لولان کا قدیم شہر آج پھر آباد ہو رہا ہے، دریائے تارم کے کنارے پھر پیداوار نظر آ رہی ہے،

یہ صرف چند کارنامے ہیں اُن کارناموں میں سے جو ہمارے وفد نے وسط ایشیا میں انجام دیے ہیں، ہم محسوس کرتے ہیں، کہ ہم نے اس میدان میں بہت کچھ حاصل کر لیا ہے، جو ازروئے سائنس ہماری مہم سے پہلے تقریبًا نامعلوم تھا، ہم نے چین کی قدیم تاریخ کے متعلق بیش قیمت معلومات حاصل کئے ہیں، ہمارے ماہر اثریات ڈاکٹر فوک برگمین (Dr Yol KeBergman) نے زمانہ حجریہ جدیدہ کے پچاس ہزار نمونے جمع کئے ہیں ڈاکٹر ڈیوڈ ہمل (Dr David Hummel) نے بے شمار پودے اور حشرات الارض اکٹھا کئے ہیں، ہماری دو جماعتوں نے جو شمالی تبت کے کوہستانوں میں تفتیش و تحقیق میں مصروف تھیں ایک وسیع خطہ کو دریافت کیا ہے، جسکی جگہ نقشہ میں ابتک خالی تھی، ہماری ایک جماعت نے جنوبی سنگاری میں قیمتی معلومات حاصل کئے ہیں،

مختصر یہ کہ ہم ایک وسیع خطہ زمین کو جو بحر الکاہل سے بحر کیسپین تک پھیلا ہوا ہے، اور اب تک دنیا کے چند لامعلوم حصوں میں شمار کیا جاتا تھا، سائنس کی آنکھوں کے سامنے لا رہے ہیں، ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابھی اور کس قدر معلوم کرنا ہے لیکن لیکن گذشتہ پانچ سال کے واضح تجربہ کی بنا پر اتنا جانتے ہیں کہ اُن ویران مقامات میں دنیائے علم کیلئے بیش بہا اکتشافات تقریبًا ہر روز ہوتے رہتے ہیں،

"ع ز"

یورپ کی قدیم ترین یونیورسٹی سالرنو

جنوبی اٹلی میں سالرنو ایک بحری بندرگاہ ہے، جو قرون وسطیٰ میں ایک صحت گاہ ہونے کے ساتھ ایک علمی مرکز بھی تھا جہاں بہت سے مشہور اطبا رہتے تھے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یورپ میں سب سے پہلے طب کی یونیورسٹی یہیں قائم ہوئی، اگرچہ مورخین نے اس کی طرف بہت کم توجہ کی، تاہم پروفیسر کارل سدھوف نے جو تاریخ طب کے بہت بڑے

عالم میں اس موضوع پر بہت سے تاریخی ماخذ سے روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد اور تمام مورخین نے اس یونیورسٹی کے متعلق تحقیقات کی اور اس تحقیقات کا خلاصہ مارچ ۱۹۳۳ء کے الہلال میں شایع ہوا ہے، جس کو ہم ناظرین معارف کی دلچسپی کے لیے درج کرتے ہیں،

"چھٹی صدی عیسوی میں اٹلی ایک میدان کارزار بنی ہوئی تھی، اور شمالی جانب سے اوس پر حملے ہو رہے تھے، اس کے بعد گاتھک کا اقتدار جاتا رہا، اور جنوبی اٹلی بازنطینی حکومت کے زیر اثر آگیا، اس وقت اگرچہ اٹلی میں عام طور پر یونانی زبان رائج تھی، لیکن بازنطینی اقتدار کے زوال کے بعد دوسری زبانیں رائج ہوئیں، اور متعدد مقامات پر لاطینی زبان رائج ہو گئی،

پھر جب آٹھوین صدی میں مسلمانون نے ان ممالک کو فتح کیا تو یونانی کی جگہ مختلف مقامات میں عربی نے لیلی، اسی طرح جنوبی اٹلی میں بہت سے یہودی بھی رہتے تھے، اور اونھون نے اور علوم یعنی لاطینی یونانی اور عربی کے مقابل میں عبرانی علوم کی اشاعت کی، اس کے بعد مسلمانون نے آٹھوین صدی میں بتدریج سسلی پر حملہ کیا اس کے بعد نوین صدی میں اٹلی کی سرزمین پر تاخت کی اور رفتہ رفتہ جنوبی اٹلی پر قابض ہو گئے، اور نیپلز اور سالرنو اون کے قبضہ میں آگئے اس کے بعد ۸۸۳ء میں مونٹ کاسینو بھی مسلمانون کے زیر اقتدار آگیا، اور اب اٹلی میں مسلمانون کی فوجی جد وجہد مکمل ہو گئی،

اب ہم کو جنوبی اٹلی میں رہبانیت اور کلیسا کی زندگی کی تاریخ بھی پیش نظر رکھنی چاہیے، سب سے پہلے سینٹ بنیڈکٹ (۴۸۰-۵۴۳ء) نے مونٹ کاسینو میں ایک بڑا کلیسا قائم کیا، جس کے ساتھ لاطینی کتابون کا ایک بہت بڑا کتبخانہ بھی تھا، اس کے بعد اور بہت سے رہبانون نے اس کی تقلید کی، اور جنوبی اٹلی کے تمام شہرون میں جن میں سالرنو بھی تھا، بہت سے گرجے قائم کئے، سینٹ بنیڈکٹ نے جو نظام قائم کیا تھا، اوس کے رو سے رہبانون کے لئے علمی بحث و تحقیق بھی ضروری تھی، اس لئے ان اطراف میں ایک خاص لاطینی زبان جسکو نفنتان کہتے تھے، رائج ہو گئی، اور اس میں بہت سی کتابین لکھی گئین جن میں بعض فن طب پر تھین، اگرچہ قدیم یونانی زبان بھی وہان رائج رہی، بلکہ متعدد یونانی گرجے بھی بالخصوص روسانو میں قائم تھے، تاہم جس فضا میں یونانی اور لاطینی یہان زندگی بسر کر رہے تھے، وہ لغوی مباحث اور مذہبی نزاعات کے شور و غل سے گونج رہی تھی، اس لئے علمی خیالات کو ترقی نہ ہو سکی، لیکن جب عربون نے اس ملک کو فتح کیا تو عربی علوم و فنون کی اشاعت ہونے لگی، اور لوگون نے

ون علوم کی طرف توجہ کی جنکو اہل عرب اپنے ساتھ لائے تھے، سالرنو میں پہلے ہی سے بڑے بڑے تجربہ کار اطبا موجود تھے، اور انھون نے اپنے شاگردون کے فوائد کے لئے اپنے تجربات قلمبند بھی کرلئے تھے، ان کی قدیم ترین کتابین ۱۰۰۰ء میں لکھی گئی تھین لیکن ابتدا میں یہ اطبا اپنی کتابون پر جو لاطینی زبان میں یونانی علوم کا ترجمہ تھین اپنے نام نہین لکھتے تھے، سالرنو میں اس قسم کی علمی اور طبی کتابین گیارھوین صدی کے نصف اخیر میں شائع ہوئین، اور اطبائے سالرنو میں جاریوپنٹوس المتوفی ۱۰۵۰ء اور فانوس المتوفی ۱۰۸۵ء نے طبی کتابین لکھین، لیکن مشاہیر سالرنو کے زمانے میں جس شخص نے قرون وسطی کے ابتدا میں یورپ میں عربی علوم منتقل کئے وہ قسطنطین افریقی تھا جس نے ۱۰۸۷ء میں وفات پائی، وہ حکمت و فلسفہ کا شیدائی تھا، اس غرض سے اپنے اصلی مولد قرطاجنہ کو چھوڑ کر بابل گیا، اور وہان کلدانی عربی اور ایرانی طب و حکمت میں تعلیم حاصل کی، پھر ہندوستان آیا، اور یہان ہندوؤن کے علوم و فنون سیکھے اسی طرح حبشہ اور مصر میں گیا، اور وہان کے علوم کی تعلیم حاصل کرکے ۴۰ سال کے بعد اپنے وطن کو واپس ہوا لیکن اسکے علم و فضل پر اوسکے ہموطنون نے حسد کیا اسلئے وہ وہان سے بھاگ کر ۱۰۷۰ء میں سالرنو چلا گیا، اور وہان بھیس بدل کر گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگا حسن اتفاق سے ایک مشرقی امیر نے جو وہان آتا جاتا رہتا تھا، اوسکو پہچان لیا، اور لوگون کو اس کے علم و فضل سے روشناس کرایا، اور اب وہان کے شرفا میں اس کا درجہ بہت بلند ہو گیا، لیکن چند ہی دنون کے بعد وہ مونٹ کاسینو کے گرجے میں چلا گیا، اور اب ہو کر مختلف اجنبی زبانون کی کتابون کے ترجمے میں مشغول ہو گیا، اور مشرقی قومون کے بہت سے علوم کا ترجمہ کیا، لیکن وہ ان ماخذ کا اظہار نہین کرتا تھا، جن سے ترجمہ کرتا تھا، اور ان مصنفون کا نام نہین بتاتا تھا، جن کی کتابون کے اس نے ترجمے کئے تھے، بلکہ ترجمہ شدہ کتابون کو خود اپنی طرف منسوب کرتا تھا، لیکن اس کی ترجمہ کردہ کتابون پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ سب کی سب عربی کتابون سے ماخوذ ہین، اور وہ صرف یہی عربی زبان جانتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی طب کے اس ترقی یافتہ دور سے جب کہ دسوین صدی کے آخر اور گیارھوین صدی کی ابتدا میں قانون شیخ تمام مشرق میں رائج تھی، بالکل ناآشنا تھا، اس لئے اس کے علم طب کا ماخذ صرف وہ عربی طب ہے جو یونانی سے بذریعہ ترجمہ کے عربی زبان میں آیا تھا، اور اس نے شمالی افریقہ میں اس سے واقفیت حاصل کی تھی، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی ممالک میں اس کی سیاحت کا واقعہ محض ایک فرضی افسانہ ہے، لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ یورپ میں سب سے پہلے اسی نے عربی طب کو روشناس کرایا، اور اسی کے

ذریعہ سے اسلامی طب سالرنو کے مدرسین داخل ہوا، اور وہان کے اطبار اوسکی تعلیم مین منہمک ہوگئے، اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہئے، کہ آٹھوین صدی سے قرون وسطیٰ کے اخیر تک دنیا کی فلسفیانہ، علمی اور سیاسی سیادت و اقتدار کی باگ اسلام کے ہاتھ مین تھی؛ اس لئے قسطنطین نے عربی علوم کے ترجمہ کی جو خدمت انجام دی، وہ گویا یورپ مین اسلامی علوم و فنون کی ایک جدید فتح تھی، اس لئے مدرسہ سالرنو پر بھی اسکا بہت بڑا اثر قائم ہوگیا، اور وہ بہت جلد ترقی کرکے یورپ مین طبی تعلیم کا بہت بڑا مرکز ہوگیا، اور جب نارمنون نے [illegible]ء مین سالرنو کو فتح کیا تو اس کو گویا ایک یونیورسٹی بنا دیا، اور تقریباً ڈیڑھ سو برس تک اسی حیثیت سے اوس کی شہرت قائم رہی، خود نارمن سلاطین عربی علوم و فنون کی اشاعت کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، چنانچہ تیرہوین صدی کی ابتدا کی ایک تصویر ملی ہے، جو اردو مین بھی شائع ہوچکی ہے، اس مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ نارمن بادشاہ ولیم ثانی المتوفی ۱۱۸۹ء کے بستر علالت کے پہلو مین ایک عربی طبیب ہاشم نامی کھڑا ہوا ہے،

سالرنو کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ فریڈریک ثانی نے اوس کی یونیورسٹی کو اطبار کے امتحان اور جنوبی اٹلی مین اون کو طبابت کرنے کی اجازت دینے کا حق عطا فرمایا، اور یورپ کے تمام اطراف سے وہان بکثرت مریض علاج کے لئے آتے تھے،

تاریخ صقلیہ جلد اول

(از مولوی سید ریاست علی صاحب، ندوی)

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو و انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اوسکی تاریخ مرتب کی گئی ہے، جنمین سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، [illegible] کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت [illegible] ۵۴۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت [illegible]

"مینجر"

اخبار علمیہ

ایک عجیب و غریب مقبرہ

آسٹریا اور اٹلی کے حدود کے درمیان ایک مقبرہ ہے جسمین ۳۰ ہزار اٹالین کی قبرین ہین اور یہ وہ لوگ ہین جو ان معرکون مین قتل ہوئے ہین، جو جنگ عظیم مین آسٹریا اور اٹلی کے درمیان ہوئے اس مقبرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر قبر پر ایسی علامتین قائم کی گئی ہین جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب قبر کا کام کیا تھا؟ مثلاً درزی کی قبر پر سوئی اور دھاگے کا نشان ہے، اور حجام کی قبر پر قینچی اور کنگھی کا، اسی طرح ہر شخص کی قبر پر مخصوص علامتین ہین،

انڈون کے پہچاننے کا آلہ

بڑے بڑے تجارتی کارخانون مین انڈون کی شناخت کے لئے بڑے بڑے تجربہ کار لوگ رکھے جاتے ہین، جو صرف دیکھ کر یا ہاتھ مین لیکر برے بھلے انڈون کی شناخت کر لیتے ہین، لیکن ایک ماہر فن نے اب ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جو ان تجربہ کار لوگون سے بہتر طریقہ پر انڈون کی شناخت کر سکتا ہے، چنانچہ ایک تجربہ کار نے چند انڈون کو خراب قرار دیا تھا، لیکن اس آلے کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ وہ اچھے ہین، انڈے توڑے گئے تو معلوم ہوا کہ آلے کی شناخت صحیح تھی،

موتی کی شناخت کا آلہ

لندن مین جمعیت علوم طبیعیہ کی تیسوین نمائشگاہ مین ایک ایسے آلے کی نمائش کی گئی جس سے اکسریز کے ذریعہ سے کھرے

کھوئے ہوئے موتیون کی شناخت ہوسکتی ہے،

ایک عجیب آدمی،

نیویارک مین ایک عجیب وغریب شخص ہے، جس کو درد، دکھ کا مطلق احساس نہین ہوتا، اطباء نے اس کے مادی وجوہ معلوم کرنے کے لئے متعدد تجربے کئے، لیکن اون کو کامیابی نہین ہوئی،

غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ دماغ کے جو اعصاب اس قسم کی تکلیفون کا احساس کرتے ہین، وہ ماؤف ہوگئے ہین لیکن اس کا تجربہ اوس کے مرنے کے بعد اوس کے دماغ کی تشریح سے کیا جاسکتا ہے،

خون کا تعلق قرابت سے،

دو انگریزی ڈاکٹرون نے مصر مین بعض حیوانات پر جو تجربے کئے ہین، اون سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف خون کی جانچ سے دو شخصون کے درمیان قرابتداری کے تعلقات معلوم ہوسکتے ہین، کیونکہ خاص خاص مادے خون مین مختلف کیمیاوی فعل کرتے ہین لیکن اس فعل کی یکرنگی صرف والدین، انکی اولاد اور اون کے قریبی رشتہ دارون مین قائم رہتی ہے، لیکن جن لوگون مین قرابتداری کے تعلقات نہین ہوتے، اون کے خون مین اسکی یکرنگی قائم نہین رہتی، بلکہ سخت اختلاف ہوجاتا ہے،

بلی کا جسمانی ارتقاء

عام طور پر علماء کا خیال تھا کہ بلی درحقیقت چیتے سے پیدا ہوئی ہے جس کے دانت تلوار کے پھل کے مشابہ تھے، لیکن اس نظریہ پر اون کے پاس کوئی یقینی دلیل نہین تھی، لیکن ایک علمی جماعت کو اپنی تحقیقات مین بلی کی ایک ایسی کھوپری دستیاب ہوئی ہے جو قدیم چیتے اور موجودہ بلی کی درمیانی کڑی ہے، اور اس سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے،

کوئلے کا غبار

جو لوگ پتھر کے کوئلون کی کان مین کام کرتے ہین، اون کا خیال ہے کہ اس کوئلے کا غبار صحت کے لئے مضر ہے، اور پھیپھڑے کے امراض پیدا کرتا ہے، لیکن کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اس کے خلاف رائے قائم کی ہے، اُن کا خیال ہے کہ یہ غبار صحت کے لئے مفید ہوتا ہے، کیونکہ اس سے پھیپھڑون کی حرکت بڑھ جاتی ہے، اور وہ بکثرت بلغم خارج کرنے لگتا ہے، معمولی غبار پھیپھڑون سے لپٹ کر رہ جاتا ہے، اور بلغم خارج نہین کرتا، لیکن جب کوئلے کا غبار پھیپھڑون مین پہنچتا ہے تو اس کے ساتھ معمولی غبار بھی لپٹ کر بلغم کے ساتھ نکل آتا ہے، اس لئے اگر پتھر کے کوئلے کا غبار نہ ہو تو بلغم نکل سکے، اور جب تک بلغم نہ نکلے گا، پھیپھڑا معمولی غبار سے صاف نہ ہوگا،

خاندان کی سب سے چھوٹی اولاد،

عام خیال ہے، کہ قدیم زمانے کے انسان نہایت تنومند اور دراز قد ہوتے تھے، لیکن ایک پروفیسر نے یہ تجربہ کیا ہے کہ عقلی اور جسمانی حیثیت سے خاندان کی سب سے چھوٹی اولاد اور بڑی اولاد مین کیا نسبت ہے؟ تو معلوم ہوا کہ خاندان کی سب سے چھوٹی اولاد خاندان کے اور ممبرون سے زیادہ طویل القامت، جسیم اور ذہین و عقلمند ہوتی ہے، اوس نے اٹھائیس ہزار بچون پر جن مین مرد، عورت، امریکن، یورپین اور جاپانی سب شامل تھے، یہ تجربہ کیا، اور نتیجہ کی یکسانی ہر جگہ قائم رہی، اس سے پہلے نظریہ کی غلطی ثابت ہوتی ہے، اور یہ نظریہ قائم ہوتا ہے کہ ہر نسل دوسری نسل سے زیادہ طویل القامت اور تنومند ہوتی ہے،

تمدن اور حواس،

تمدنی ترقی کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے انسان کے حواس ضعیف ہوجاتے ہین، اس لئے متمدن انسان کے حواس وحشی قومون سے ضعیف ہوتے ہین، اور جانورون کے حواس وحشی آدمیون سے بھی زیادہ قوی ہوتے ہین،

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان جس قدر ترقی کریگا، اوس کے حواس ضعیف ہوتے جائین گے، حال مین ایک امریکن عالم نے یہ تجربہ کیا ہے، کہ متمدن شہرون مین سڑکون پر جو شور وغل ہوتا ہے، اس سے قوتِ سامعہ بتدریج ضعیف ہورہی ہے، اور بہرا پن عام طور پر پھیل رہا ہے، جو رفتہ رفتہ آیندہ نسلون مین ایک موروثی چیز ہوجائیگا، اور اون مین قوتِ سامعہ بالکل مفقود ہوجائیگی،

بولنے والی گھڑی،

پیرس مین ایک عجیب وغریب گھڑی نصب کی گئی ہے، جو ٹیلیفون پر سوال کرنے سے خود وقت بتا دیتی ہے، اس گھڑی کا سلسلہ بیس ٹیلیفون سے ملا ہوا ہے، جو ایک ہی وقت مین بیس آدمیون کو وقت بتا دیتی ہے،

زلزلہ پیدا کرنے والا آلہ،

ایک امریکن نے ایک عظیم الشان آلہ ایجاد کیا ہے، جو بوقت ضرورت زمین مین زلزلہ خیز حرکت پیدا کرسکتا ہے، اس آلہ کے ایجاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جدید عمارتون کے مکمل ہونے سے پہلے یہ تجربہ کرلیا جائے کہ وہ زلزلہ کے مقابلے کی کس قدر طاقت رکھتی ہین۔

آنتون کے دیکھنے کا آلہ،

ایک جرمن ڈاکٹر نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جسکو ایک انسان جب نگل لیتا ہے، تو اس کے ذریعہ پیٹ کی تمام آنتین نمایان ہوجاتی ہین،

نطق پیدا کرنے والا آلہ،

بعض لوگ آپریشن یا کسی جسمانی صدمہ کے پہنچ جانے سے بول نہین سکتے، لیکن ایک فرنچ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جسکے ذریعہ سے ان کی قوتِ گویائی عود کرا سکتی ہے، یہ ایک چھوٹا سا آلہ ہے، جو ایک نلکی مین لگا رہتا ہے، مریض اپنا منہ اس پر رکھکر بولنا چاہتا ہے تو اس کے منہ سے صرف ہوا نکلتی ہے، لیکن یہ آلہ اس ہوا کو الفاظ کے قالب مین بدل دیتا ہے، جس سے جملے بآسانی سمجھ مین آجاتے ہین،

(ع ح)

ادبیات

خونِ جگر

از

حضرت جگر، مراد آبادی

کوئی کمی نہ اے غمِ اشک آفرین رہے
یہ آستین رہے، کبھی یہ آستین رہے

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشین رہے
جبتک ہمارے پاس رہے ہم نہین رہے

ایمان وکفر اور نہ دنیا و دین رہے
اے عشق شاد باش کہ تنہا ہمین رہے،

میری زبان پہ شکوۂ دردآفرین رہے
شاید مرے حواس ٹھکانے نہین رہے،

جب تک الٰہی جسم مین جانِ حزین رہے
نظرین مری جوان رہین، دل حسین رہے،

یارب کسی کے رازِ محبت کی خیر ہو،
دستِ جنون رہے نہ رہے، آستین رہے،

تا چند جوشِ عشق مین، دل کی حفاظتین
میری بلا سے، اب وہ جنونی کہین رہے،

مجھ کو نہین قبول دوعالم کی وسعتین،
قسمت مین کوئے یار کی دو گز زمین رہے،

جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر،
اے عشق اب تو ہم ترے قابل نہین رہے

دورِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے،
حیران ہون مین، کہ پھر بھی تم اتنے حسین رہے،

اے عشق نالہ کش، تری غیرت کو کیا ہوا
ہے ہے، عرق عرق، وہ تنِ نازنین رہے،

اللہ ری چشم یار کی معجز بیانیان، ہر اک کو ہے گمان کہ مخاطب ہمین رہے

ذات و صفات حسن کا عالم نظر مین ہے، محدود سجدہ کیا مرا ذوق جبین رہے،

کس درد سے کسی نے کہا آج بزم مین، اچھا یہ ہے، وہ ننگ محبت" ہمین رہے"

اس عشق کی تلافی مافات دیکھنا،

رونے کی حسرتین ہین، جب آنسو نہین رہے"

راحت کدہ

از

جناب عبد السمیع صاحب پال اثر صہبائی، ایم اے ایل ایل بی وکیل سیالکوٹ

دل اک تمھارے عشق مین درد سے آشنا ہوا ریزۂ سنگ تھا مگر گوہر بے بہا ہوا،

میرا سر جنون پسند دیر و حرم مین تھا بلند تیرے حضور مین مگر شوق سے ہے جھکا ہوا،

فصل بہار آگئی، سارے جہان پہ چھا گئی، میرا دل حزین مگر سوگ مین ہے پڑا ہوا،

دل کہ ریاض طور تھا میکدۂ سرور تھا آج و فور یاس سے خاک مین ہے ملا ہوا،

ٹوٹ گیا ہے سازِ دل فاش ہوا ہے رازِ دل سوزِ شکست آرزو نالون مین ہے بھرا ہوا،

بحرِ جہان بے بکران زیست حباب ناتوان موجِ فنا ہوئی روان دم مین وہین ہوا ہوا،

"راحت جان"! ترا اثر سب ہوا ہے بے خبر، اک ترا ذکر ہے مگر، تارکِ ماسوا ہوا،

سرگذشت ادب ترکی

ترکی ادب کی سرگذشت کا اجمالی خاکہ جسمین ترکی ادب کی تاریخ یعنی کے قریب قریب تمام ابواب اور ہر دور کے ممتاز شعراء کا تعارف کرایا گیا ہے، از مولوی سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر معارف حجم تقطیع ۲۰×۲۰/۱۶ کے ۲۰۰ صفحہ، ۲۰ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کرین، "منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

"قرون وسطیٰ مین ہندوستانی تہذیب"

از

رائے بہادر مہامہوپادھیائے گوری شنکر ہیراچند اوجھا،

اس وقت ہندوستانی اکاڈیمی الہ آباد جن طریقون سے ہندوستانی زبان کی خدمت کر رہی ہے، ان مین اوس کے سالانہ علمی لکچرون کا سلسلہ جو وہ ہر سال ملک کے برگزیدہ مصنفون اور انشا پردازون سے دلواتی ہے نہایت اہم متعدد لکچر کتاب کی صورت مین شایع ہو چکے ہین جن سے ہندوستانی علوم و فنون، مذہب اور تاریخ کے متعلق نہایت وسیع لٹریچر فراہم ہو گیا ہے، کتاب زیر نظر بھی ان تین خطبون کا مجموعہ ہے جو رائے بہادر مہامہوپادھیائے گوری شنکر ہیراچند اوجھا نے ہندوستانی اکاڈیمی نے مورخہ ۱۲ ار ۱۴ ار ستمبر ۱۹۲۸ء کو دلوائے، یہ خطبے اگرچہ ہندی زبان مین دئے گئے تھے، لیکن اکاڈمی نے ان کا نہایت سلیس اردو ترجمہ ایک کتاب کی صورت مین شایع کیا ہے، جس سے اردو دان طبقہ بھی اون سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے،

مقرر نے تمہید مین اون کتابون کی فہرست دی ہے، جن سے ان خطبون کو مرتب کیا گیا ہے، اور اس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہندوستانی تہذیب پر جن کتابون سے مدد لی جا سکتی ہے، ان سب سے مقرر نے فائدہ اوٹھایا ہے،

پہلی تقریر اون مذاہب پر ہے، جو قرون وسطیٰ مین ہندوستان مین پیدا ہوئے اور ترقی کی، اسی سلسلے مین لکچرار نے اس دور کی معاشرت کو بھی لیا ہے، اور پوشاک، زیور، غذا اور اخلاق و عادات کی تفصیل کی ہے، اور جا بجا ان کے تغیر و تبدل کے اسباب و علل بھی بیان کئے ہین، مثلاً غذا کے متعلق لکھا ہے، کہ تھا تما بودھ کے قبل گوشت کا بہت رواج تھا، جین اور بودھ دھرم کے

اثر سے رفتہ رفتہ اس کا رواج کم ہوتا گیا، پردہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس زمانہ مین پردہ کا رواج نہ تھا، مسلمانون کے آنیکے بعد پردہ کا رواج شروع ہوا، غرض مذہب و معاشرت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اوس کے تغیر و تبدل اور عروج و زوال کی پوری تاریخ مستند حوالون سے بیان کر دی ہے،

اس تقریر کا ترجمہ ۴۲ صفحون مین ختم ہوا ہے، اس کے بعد دوسری تقریر اس دور کی ادبیات پر ہے، اور اس سلسلے مین مقرر نے علوم و فنون کی تمام شاخون پر نہایت تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، بالخصوص فلسفہ کی تمام شاخون پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی ہے، اسی سلسلہ مین تعلیم کی وسعت کا بھی ذکر کیا ہے، اور متعدد کالج، یا دار العلوم یا یونیورسٹیون کا ذکر کیا ہے، مقرر نے اگرچہ ان تقریرون مین کہین تعصب اور بیجا طعن و تعریض سے کام نہین لیا ہے، تاہم نالندا کے دار العلوم اور جامع وکرمشلا کے متعلق اگر یہ فقرے:-

"مسلمانون کے زمانہ مین اس یادگار اور فیض بار جامعہ کی ہستی خاک مین مل گئی،"

"یہ جامعہ بھی مسلمانون کے زمانہ مین غارت ہوا،"

ان کی زبان سے نہ نکلتے تو بہتر ہوتا، نالندا سے مقصود اگر بہار ہے، تو یقیناً نالندا کی تباہی اسلامی فتوحات کا نتیجہ ہے مگر وکرمشلا کی نسبت کوئی تاریخی شہادت ہماری نظر سے نہین گذری ہے، یہ تقریر پہلے سے زیادہ طویل ہے، اور تقریباً ڈیڑھ سو صفحات مین ختم ہوئی ہے، اس کے بعد تیسری تقریر نظام سلطنت اور صنعت اور حرفت پر ہے، اور اس مین ہندوستانی تجارت، مالیات اور فنون لطیفہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور ہر تقریر مین جا بجا تصویرین اور نقشے دئے گئے ہین، پوری کتاب کی ضخامت ۲۳۸ صفحون کی ہے، اور عمدہ ٹائپ مین شائع ہوئی ہے، اور ہر حیثیت سے دلچسپ، پر از معلومات اور دلآویز ہے، "ع"

عرب و ہند کے تعلقات

عرب و ہند کے علمی، تجارتی، مذہبی تعلقات و روابط پر وہ پانچ خطبے جو مولینا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد مین دیئے، وہ خوبصورت اردو ٹائپ مین مجلد شائع ہوئے ہین، قیمت للعہ ضخامت ۴۰۰ صفحے،

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

تاریخ تخت طاؤس از مولوی محمد عبد اللطیف خانصاحب قادری کشتہ، معلم گورنمنٹ ہائی اسکول مین پوری (یو، پی) ناشر رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پبلشر بک سیلر لاہور، قیمت مجلد عمر

"تاریخ تخت طاؤس" مین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، شاہجہانی تخت طاؤس کی مفصل سرگذشت بیان کی گئی ہے، لیکن یہ مجموعہ صرف اسی تخت کی تاریخ پر مشتمل نہین، مصنف نے "متن" و "حواشی" کے دو طریق تحریر مستقل طور پر قائم کئے ہین، متن مین تو تخت کی ساری سرگذشت کے ساتھ عہد شاہجہانی کے فنون جمیلہ کی گویا اجمالی سرگذشت درج کی گئی ہے، اور پھر عہد شاہجہانی سے دور حاضر تک اس تخت پر جو ادوار گذرے، اور بعد مین اس کے جو ہمنام تخت بنے، ان سب کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اور حواشی مین متن کے مندرجہ تاریخی اشخاص، مقامات، آثار، سالانہ جشن و رسوم، اور مختلف تاریخی الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے، اور اس طرح تخت طاؤس کی مختصر سرگذشت کا مجموعہ ۳۰×۲۰ تقطیع کے ۱۶۴ صفحون مین پھیل گیا ہے،

لیکن اس مین شبہہ نہین کہ مصنف نے اس تخت کے ایک ایک جوڑ بند پر اس تحقیق، تفصیل اور جزئی استقصا سے نظر ڈالی ہے، جو اہم سے اہم تاریخی مباحث پر ڈالی جا سکتی ہے، اگرچہ مختلف روایتون کے بعد نقد و جرح مین کہین کہین وہ مباحث تشنۂ تحقیق ثابت نہین ہوئے ہین، کہین دور حاضر مین کسی رسالہ مین کسی شائع شدہ مضمون کے اقتباس سے کسی مستند ماخذ کی روایت کا رد کیا گیا ہے، اور نیز جزئی استقصاء کے تخیل سے کہین کہین حواشی کا تعلق متن سے اس قدر دور کا نظر آتا ہے، کہ اگر وہ موجود نہ ہوتے تو کسی پڑھنے والے کو جستجو نہ ہوتی، اسی طرح حوالون کی بہتات ہے، اور کہین کہین وہ حوالے خود محتاج حوالہ ہین، مثلاً کہین کہین حوالہ مین محض اتنا ہے، از مضمون خود شائع شدہ در جریدۂ فلان" ہے، اور کہین یہ نظر آتا ہے، کہ ہر مطبوعہ ورق کو لائق استناد سمجھ لیا گیا ہے،

حالانکہ آسانی سے مستند ماخذون سے رجوع کرکے تحقیق کیجا سکتی تھی، مثلاً نادر شاہ کے سوانح "بڑی جنتری" سے ماخوذ ہین، علاوہ برین اس مین جو واقعات درج ہین، وہ صحیح کیون نہ ہون، لیکن مستند ماخذون کو چھوڑ کر غیر مستند ماخذون سے انکو جمع کر دینا، اس وقت نظر کے اقتضاء کے خلاف ہے، جو ترتیب کتاب کے وقت مصنف کے پیش نظر رہی ہے، اور دوسری طرف مصنف نے کسی مورخ کے محض ایک جملہ یا لفظ پر مضمون مین بحث کی ہے، لیکن اس کے یہ معنی بھی نہین ہین کہ تخت طاؤس وغیرہ کے اصل فارسی ماخذون کی طرف رجوع نہین کیا گیا، مصنف نے عہد شاہجہان کے قریب سے قریب فارسی ماخذون سے فائدہ اوٹھانے کی کوشش کی، قابل شکایت صرف یہ ہے کہ ہر رطب و یابس کو ماخذ بنالیا،

لیکن بہرحال ان فروعی خردہ گیریون کو نظر انداز کرکے یہ کتاب دلچسپ اور لائق مطالعہ ہے، اور مصنف کی ذہنی استعداد اور تحقیق و تلاش کے رجحانات کی آئینہ دار ہے، اور علاوہ ازین کہ موضوع کتاب پر مستزاد ہو، لیکن خصوصاً عہد شاہجہانی، اور عموماً مغلی عہد کے فنون جمیلہ تعمیرات، مصوری اور نقاشی کا ایک خوشنما گلدستہ ہے، جس سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لطف اندوز ہو سکتے ہین،

کتاب کے آغاز مین جناب سید ظہیر الدین صاحب علوی ایم اے، وکیل فرخ آباد کا ایک تبصرہ و تعارف بھی ہے، لیکن اس کے اکثر مباحث بے محل بلا ضرورت اور نقدین غیر صحیح ہین مصنف نے کتاب کے اشخاص، مقامات اور ماخذون وغیرہ کی مفصل فہرست (انڈکس) ابتدا مین منسلک کر دی ہے،

جامع اللغات

مرتبہ جناب خواجہ عبد المجید صاحب بی اے، ناشر جامع اللغات کمپنی گوبند رام اسٹریٹ لاہور،

جامع اللغات اگرچہ اردو کا لغت ہے، لیکن اس کی تدوین اس نقطۂ نظر سے عمل مین آئی ہے، کہ اون الفاظ، لغات و محاورات ضرب الامثال اور مقولون کو یکجا کیا جائے، جو اردو، یا ہندوستانی بولنے والون مین سے کسی نہ کسی طبقہ کی زبان پر ہین، اور وہ اردو تحریرون مین صحیح یا غلط طور پر لکھے بھی جاتے ہین، اسی لئے کتاب کا نام جامع اللغات اردو والسنہ متعلقہ، رکھا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے اس مین اردو الفاظ و محاورات کے ماسوا ہندی، سنسکرت، فارسی و عربی، پنجابی اور انگریزی کے ایسے بکثرت الفاظ اور محاورے بھی درج ہین جن کا استعمال اگرچہ صحیح اردو مین جائز نہ ہو، تاہم وہ اردو کے رسالون اخبارون اور کتابون مین کسی نہ کسی طرح

مستعمل ہین، الفاظ و محاورات کے علاوہ اشخاص و مقامات وغیرہ کے نام اور اون کی تشریحین بھی درج ہین، اکارکنان کمپنی نے اس کی اشاعت کا ماہانہ انتظام کیا ہے، گویا جامع اللغات $\frac{20 \times 26}{4}$ تقطیع کے ۸۰ صفحون کا ایک ماہنہ رسالہ ہے، جس کا ہر پرچہ یا لغت کا ہر حصہ عمدہ اسپید چکنے کاغذ پر چھپ کر ہر مہینہ ملتا ہے، اس وقت تک دو پرچے یا حصے ہین موصول ہو چکے ہین جن مین آخری لفظ اڈورڈ ہے،

اس لغت کی مدد سے محض ایک اردو دان، اردو کی ان تحریرون کو آسانی سے پڑھ سکتا ہے، جو "ہندوستانی زبان" کے بجائے "ہندوانی زبان" مین ہوتی ہین، نیز انگریزی زبان کے بھی ایسے الفاظ ملجاتے ہین، جو اردو مین بے تکلف لیکن بلا ضرورت استعمال کئے جاتے ہین، مثلاً "اڈمشن" (داخلہ) لیکن اگر کتاب کو استقصاء سے دیکھا جائے، تو شاید مسامحات سے بھی خالی نہ ہو، مثلاً "ابو المعالی" کے ضمن مین ایک ترک شاعر، ایک ایرانی شاعر، اور مصنف تحفۃ القادریہ کا تذکرہ موجود ہے، لیکن اس کنیت سے زیادہ شہرت امام الحرمین ابو المعالی علی عبد الملک الجوینی کو حاصل ہوئی، ان کا تذکرہ موجود نہین، اسی طرح امام ابو الحسن اشعری کو "ایک مصنف جس نے تقریباً چار سو کتابین تصنیف کین" بتانے کے بجائے یہ کہا جا سکتا تھا "مذہب اشاعرہ کے بانی ہین انکی کلام و عقائد مین بکثرت کتابین ہین"، مگر ان کی ذات کا نمایان وصف مذہب اشاعرہ کا بانی ہونا ہی ہے، مگر ایسے مسامحات کو محض خردہ گیری ہی کہا جا سکتا ہے جسکا اندازہ کہین کہین نظر ڈال لینے سے ہو جاتا ہے، اور محاورون اور ضرب الامثال مین جو اجنبیت ہمین نظر آتی ہے، اون پر خاموش ہونا پڑتا ہے، کہ کسی نہ کسی اردو تحریر مین بہرحال انکا استعمال ہوا ہوگا، ورنہ مصنف کو ان اوراق مین انھین جگہ دینے کی کیا ضرورت پیش آتی، اور اس تصریح کی بھی شاید ضرورت نہ ہو کہ مفرد الفاظ و محاورات مین اردو کے علاوہ زیادہ الفاظ ہندی اور سنسکرت زبانون کے ہین، کہ انھی زبانون کے نامانوس الفاظ ہمارے برادران وطن کے ایک طبقہ کی کرم فرمائی سے اردو مین، اردو دانون کی طلب و خواہش کے بغیر بڑھتے جاتے ہین، بہرصورت مرتب کتاب جناب خواجہ عبد المجید صاحب لائق صد ستائش ہین، کہ وہ اپنی انفرادی کوششون اور ذاتی ذمہ داریون سے سالہا سال کی دیدہ ریزی کے بعد یہ مجموعہ تیار کر سکے ہین، اور یقیناً اس کی موجودگی سے ہر قسم کی اردو تحریرین پڑھ لیجا سکتی ہین، اور نیز صحیح اردو کے لغات و محاورات کے معنی و تشریح کے علاوہ وہ اگر دوسری زبان سے آئے ہین، تو اوس زبان مین اون کے حقیقی معنی کی طرف بھی رہنمائی کر سکتی ہے، اور اشخاص و مقامات اور بعض اصطلاحات کا حل بھی مل سکتا ہے، ان مجموعی حیثیت سے شاید اردو کا یہ واقعی جامع اللغات ثابت ہو،

اچھی باتین، ازمولانا سعد الدین انصاری ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی، چھوٹی تقطیع ۴۸ صفحے قیمت ۳ر

"اچھی باتین" دراصل بچون کے لئے آیات قرآنی کی تعلیم کا مجموعۂ اسباق ہے، مثلاً مرتب نے کسی ایک آیت کو لیا، اوس پر بچون کے ذوق کے مناسب حال، اوپر عنوان قائم کیا، آیت کے پہلو مین سلیس اور آسان زبان مین اردو ترجمہ درج کیا، اس کے نیچے تفسیر کا عنوان ہے، جسمین آیت کے مطالب کی تشریح بچون کے ذوق اور فہم کا لحاظ رکھکر موثر انداز مین کی ہے، اس طرح ایک ایک آیت کا ایک ایک سبق ایک ایک صفحہ مین التزام سے درج ہے، آیتون کے انتخاب مین لحاظ رکھا ہے، کہ وہ بچون کے لئے موثر ہون، اور ان کی تعلیم و تربیت کا بھی کام دین، اسلامی مدارس کیلئے اگر ایسے ہی رسالے ترتیب دئے جائین تو نہ صرف مفید دینی خدمت ہو، بلکہ مسلمان بچون کی تعلیم و تربیت آغاز ہی سے صحیح طریق پر انجام پائے،

سرکار دوعالم، مولفہ مولوی محمد حسین حسان صاحب ندوی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی، حجم ۱۲۹ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

مولوی محمد حسین صاحب حسان ندوی نے بچون کیلئے آنحضرت صلعم کی سیرت سلیس اور آسان زبان مین لکھی ہے، واقعات کو مختصر انداز بیان مین سمجھایا ہے، اور اخلاق نبوی کے بیان کو زیادہ جگہ دی ہے، سیرت نبوی مین جو مختصر رسالے بچون کے لئے لکھے گئے ہین، اون مین اس رسالہ کو نمایان حیثیت حاصل ہے، بچون کیلئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا،

معین اللبیب فی قصائد الحبیب مرتب مولینا محمد اعزاز علی صاحب ناشر، ناظم کتب خانہ اعزازیہ دیوبند، سہارنپور، حجم ۸۰ صفحے، قیمت درج نہین،

مولینا حبیب الرحمن صاحب مرحوم، مہتمم دار العلوم دیوبند، دور حاضر کے افاضل مین تھے، زیر تبصرہ رسالہ انہی کے چند عربی قصائد کا مجموعہ ہے، جس کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین مختلف نظمین، دعائے مضطر، شمائل و معجزات نبوی، فضائل مدینہ منورہ اور عروج و زوال اسلام پر ہین، اور دوسرے حصہ مین مختلف اکابر علما، مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم اور مولانا احمد حسین صاحب مرحوم وغیرہ کی شان مین مرثیے اور قصائد ہین، اور اسی طرح چند قصائد حضور نظام آصفجاہ کی شان مین بھی ہین، توقع ہے کہ عربی علم و ادب سے ذوق رکھنے والے اہل علم اور مدارس عربیہ کے طلبہ اس سے مستفید ہون گے،

"س"

جلد ۳۱ | ماہ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۳ء | عدد ۶

مضامین